جنت کا سفر
سفرِ نامہ حج
مسافر محمد شعیب اختر

جنت کا سفر

(سفرنامہ حج)

مسافر
محمد شعیب اختر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب جنت کا سفر
مسافر محمد شعیب اختر
کمپوزنگ محمد شاہد حنیف [0333-4128743]

فہرست مضامین

دیباچہ

جب تک حج کرنے کا خیال نہیں آیا تھا تو نہیں آیا تھا، لیکن جب اللہ کی توفیق سے ارادہ باندھ لیا تو یہ خیال سر پر سوار ہو گیا، اس سفر کا مقصد فقط ایک ہی تھا حجِ ''بیت اللہ''۔ لہٰذا کتاب لکھنے کا گمان تک نہ تھا، نہ ہی اس حوالے سے کوئی ڈائری لکھی اور نہ ہی کوئی نوٹس لئے تھے۔ حج کے بعد واپس پاکستان آ گئے لیکن امورِ حج اور اس کے مناظر ذہن کے پردے پر نقش ہو گئے اور دل غیر ارادی طور پر اپنی یادوں کو کاغذ پر محفوظ کرنے کی جانب مائل ہو گیا۔ لکھنے کا یہ عمل ابھی ادھورا ہی تھا کہ اس کا ذکر اپنے ایک قریبی دوست سے کیا جنہوں نے بطور خاص مشورہ دیا کہ اس عمل کو اب روکنا مت اور اس تحریر کو پائیہ تکمیل تک پہنچا دیں، اگر بیچ میں روک دیا تو شاید یہ یادیں ادھوری رہ جائیں۔ لہٰذا اپنے اس دوست کی حوصلہ افزائی اور ذاتی دلچسپی یاداشتوں پر مبنی اوراق کو کتاب کی شکل دینے کا باعث بنی۔ جہاں ان کے توسط سے شیخ سلیم اختر حفظہ اللہ نے پوری دلچسپی سے اس تحریر کی نوک پلک سنوار کر قابلِ اشاعت بنایا وہیں برخوردار احمد جہانگیر اور بھائی محمد علی نے سرورق بنا کر کتاب کی خوبصورتی کو مزید بڑھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی کاوش کو قبول کرے اور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

محمد شعیب اختر
۲۳۔سی، سن سٹ لین۔۵،
فیز۔۲، ڈیفنس کراچی
۲۹ جنوری ۲۰۲۰

عنوان

نماز پڑھنے کے لیے جب میں گھر سے مسجد جانے لگتا تو میری چھوٹی سے بڑی والی بیٹی جو اس وقت دو یا تین سال کی ہوگی اصرار کرتی کہ مجھے بھی ''جنت'' میں جانا ہے۔اس کا خیال تھا کہ نماز پڑھنے کے لیے میں جس جگہ جاتا ہوں وہ جنت ہے۔اکثر میرے جانے کے بعد میری بیوی یا بڑی بہنیں میری اس بیٹی سے پوچھتیں کہ ڈیڈی کہاں گئے ہیں وہ انتہائی معصومیت سے کہتی کہ ''جنت'' میں گئے ہیں۔ یہ انتہائی پاکیزہ اور لطیف سا احساس یقیناً ایک فرشتہ صفت بچے کی روح میں ہی پیدا ہوسکتا ہے۔نماز کے تصور کا اتنا پاکیزہ اور لطیف احساس ہم سب کو مجبور کر دیتا ہے کہ ہم اپنی بیٹی سے روزانہ پوچھیں کہ ڈیڈی نماز کے لیے کہاں جاتے ہیں؟

یہ پاکیزہ اور معصومانہ سا احساس میرے ذہن کے نہاں خانے میں کہیں محفوظ رہ گیا اور میں نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کا نام ہی ''جنت'' رکھ دیا۔

2019ء میں میری بیوی اور مَیں حج پر گئے تو ہم نے وہاں اس عمل کو بڑی شدت سے محسوس کیا کہ یہاں مکہ اور مدینہ میں ہمیں صرف تین کام کرنے ہیں کھانا ہے، سونا ہے اور عبادت کرنی ہے، اپنے ربّ کی حمد و ثناء بیان کرنی ہے۔بس یہی کچھ تو جنت میں کرنا ہے۔

مدینہ منورہ کی بابرکت اور پاکیزہ سرزمین پر جہاں رحمتوں، برکتوں اور نور کی برسات ہے وہاں جنت کا ٹکڑا ہے، جنت کی کیاری ہے، ریاض الجنتہ ہے۔

مکۃ المکرّمہ جو اللہ کا گھر ہے، امن کا گہوارہ ہے، رحمتوں، نور اور برکتوں کا سرچشمہ ہے، وہاں جنت کا پتھر ہے، مقامِ ابراہیم ہے، اللہ کا گھر خانہ کعبہ ہے، وہاں حطیم ہے، شہدا کے قبرستان ہیں۔

لٰہذا یہ سارے لطیف احساسات، پاکیزہ تصورات اور بابرکت سفر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ذریعے جس منزل کے حصول کے لیے ہیں وہ میری بیٹی کا معصومیت سے بھرا لفظ ''جنت'' ہے۔ اپنے سفرِ حج کے احساسات کو قلم بند کرنے کے لیے اس سے بہتر عنوان مجھے سمجھ نہیں آیا، لہذا ''جنت کا سفر'' اس کتاب کا عنوان ٹھہرا۔

ان شاء اللہ

حج ،عمرہ، زیارتِ مکہ و مدینہ ہر مسلمان کی شعوری یا غیر شعوری خواہش ہوتی ہے۔کوئی حج پر جا رہا ہو یا واپس آئے سب اسی خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ سعادت نصیب فرمائے اور ہر کوئی بے ساختہ اس پر آمین کہہ دیتا ہے، جیسا کہ ہم عادتاً ہر کام کے کرنے پر ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں اور اکثر ایسے کام کے لیے تو بار بار ان شاء اللہ، ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں جسے نہ کرنا ہو۔

کراچی ائیر پورٹ پر جناح ٹرمینل، جس کی تعمیر فرانس کی کمپنی Sogea نے 1992ء میں کی تھی اس پر جب فرنچ انجینئر کسی کام کی تقسیم کرتا تو ہمارا عملہ بے ساختگی سے ان شاء اللہ کہہ دیتا، فرنچ انجینئر میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا کہ اس کا مطلب ہے یہ کام نہیں کرنا چاہتا اور اللہ پر ڈال دیا ہے۔صورتحال کے پیشِ نظر میں اسے تسلی دے دیتا کہ تم فکر نہ کرو یہ کام ہو جائے گا۔ یہ ہماری اخلاقی گراوٹ اور قول و فعل میں تضاد تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی چاہت کو شامل حال کرنے کے بعد بھی اپنے کام کو پورا کرنے میں سنجیدہ نہیں ہوتے اور دوسرے لوگ اس دُعا کا مطلب اُلٹا لیتے ہیں کہ اب ہم یہ کام کرنے میں سنجیدہ نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

خاردار باڑ

اب سے چند سال قبل تک شعوری تو کیا غیر شعوری طور پر بھی یہ چاہت دل میں پیدا نہ ہوئی تھی کہ حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کی جائے۔ اگرچہ بچپن میں ہمارے گاؤں سے آنے والے جتنے لوگ حج کے لیے کراچی میں ہمارے گھر قیام کرتے اتنے ہی لوگ انھیں الوداع اور خوش آمدید کہنے کے لیے ساتھ آتے اور گھر میں دو تین ہفتے

حج اور حاجیوں کی وجہ سے اک سماں قائم ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے جب میں میٹرک میں پڑھتا تھا اور والد صاحب پہلی مرتبہ عمرہ کرنے کے لیے سعودی عرب جانا چاہتے تھے تو انھیں موٹر سائیکل پر بٹھا کر سعودی ایمبسی لے کے جانا اور تمام کاغذی کارروائی کروانا میرے ذمے تھا۔ یہ غالبًا 84-1983ء کی بات ہے جب سعودی ایمبیسی کی دیواریں اونچی نہ تھیں، گیٹ اور دیواروں کے اُوپر سے اندر لگی ہوئی قطاریں باآسانی دیکھی جا سکتی تھیں اور انہی قطاروں میں کھڑے ہو کر میں نے والد صاحب کے ساتھ عمرے کا ویزہ لگوایا تھا۔ اب یہ دیواریں بہت اونچی ہیں ان اونچی دیواروں پر خار دار باڑ لگے ہیں اور ان خاردار تاروں کے بیچ میں پہرے داروں کی چوکیاں قائم ہیں۔ روڈ کے ساتھ ساتھ جو فٹ پاتھ تھا اس پر بھی ایک اونچی دیوار قائم کر دی گئی ہے جو کہ ایمبیسی کا حصہ بن گئی ہے، اب میں ایمبیسی کے سامنے والے روڈ سے گزر سکتا ہوں ٹھہر نہیں سکتا۔

خواب

گھر کا ماحول کسی حد تک مذہبی تھا اور والد صاحب کو اس ماحول میں امتیازی حیثیت حاصل تھی، وہ پابند صوم وصلوۃ تھے اور محلے کی مسجد میں اکثر اذان بھی دے دیتے تھے۔ باقی ہم تمام بھائی ''باقاعدگی'' سے جمعہ کی نماز ضرور ادا کرتے تھے۔ ممکن ہے ان حالات کا اثر ہو کہ میں نے بچپن میں، غالبًا سات آٹھ سال کی عمر میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں اور وہاں ریل کی پٹڑیاں بچھی ہوئی ہیں کچھ پٹڑیوں پر ریل گاڑی کے ڈبے کھڑے ہیں اور میں ان پٹڑیوں کے بیچ میں گھٹنوں کے بل چل رہا ہوں۔ بظاہر اس خواب میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہونے کے علاوہ کوئی پر کشش بات نہیں تھی اس کے باوجود یہ خواب مجھے کئی دہائیوں

تک یاد رہا اور میں اس کی راحت اور سرور کو محسوس کرتا رہا۔

ممکن ہے کہ اس خواب کا تسلسل ہو یا محض اتفاق کہ 2006-2005ء میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مسجد میں ہوں جو زیر زمین ہے، اس کے گنبد اور کھڑکیاں باہر زمین کی سطح کے برابر ہیں، باہر ایک کچا مکان ہے جو مٹی سے بہت نفاست سے لیپ دیا گیا ہے۔ صحن میں مرغیاں دانہ چگ رہی ہیں۔ اسی اثناء میں نورانی چہرے والے تین بزرگ تشریف لاتے ہیں اور ان میں سے ایک بزرگ جو اُن کے قائد و امام ہیں منبر کے پاس آ کر واعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد یہ تینوں بزرگ شخصیات مسجد کے سامنے والے دروازے سے باہر نکل جاتی ہیں۔

میں باہر کا منظر دیکھتا ہوں تو سامنے صحرا ہے اور اس سے کچھ پرے اہرام مصر ہے۔ یہ تینوں بزرگ اہرام مصر کی جانب چلے جاتے ہیں اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

اس خواب کا اثر صبح سے شام تک جوں کا توں میرے اعصاب پر قائم رہا اور سارا دن میں کام کاج کے حوالے سے جہاں کہیں بھی گیا مجھے باہر کا ماحول انتہائی خوشگوار، ٹھنڈا اور طبیعت کو بھلا لگا جیسے ہلکی ہلکی کالی گھٹا چھائی ہوئی ہو۔ اس اثر کو زائل ہونے میں دو سے تین دن لگے۔

اگرچہ فی زمانہ میں کرامات اور ماورائے عقل واقعات کا قائل نہیں ہوں پھر بھی یہ بات حق بجانب ہے کہ اس خواب نے میری زندگی میں ایک اہم موڑ کا کام سرانجام دیا اور میرے روز و شب میں مثبت تبدیلی کا باعث بنا۔

حج درخواست

2016ء کے لگ بھگ حج پر جانے کی شعوری خواہش دل میں ابھرنے لگی تھی۔ تو 2017ء میں پہلی دفعہ حج درخواست بمعہ تمام لوازمات جمع کروا دی۔ میری والدہ

مرحومہ میرے ساتھ رہتی تھیں، ضعیف اور کمزور ہوگئی تھیں۔ بظاہر کوئی بیماری نہ تھی مگر بڑھاپا خود ایک بیماری بن کے ساتھ لگ گیا تھا۔ 2017ء کی قرعہ اندازی میں نام نہ نکلا، اس میں بھی اللہ ربّ العزت کی مصلحت تھی کہ ہم اپنی والدہ کی اس بڑھاپے میں اچھی طرح خدمت کرلیں اور الحمدِللّٰہ ہم نے اپنی بساط کے مطابق پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

نومبر 2017ء کو ہماری جنت، ہماری والدہ جنھیں ہم بہن بھائی، بچے یہاں تک کہ محلے دار بھی ''بی بی'' کہتے تھے، اپنے آخری سفر پر روانہ ہوگئی۔ اللہ تعالی میری والدہ ''بی بی'' کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

2018ء میں دوسری دفعہ حج کے لیے درخواست جمع کروا دی۔ درخواست دینے کے مراحل میں چاہے میڈیکل ہو یا بینک کے معاملات، لفظ ''حج'' بار بار دہرایا جا رہا تھا اور بینک والے چونکہ ہر کسی کے نام سے واقف نہیں ہوتے لہٰذا حاجی کہہ کر مخاطب کرتے تو عجیب سا احساس دل و دماغ پر چھا جاتا اور لفظ ''حج'' ''حاجی'' ذہنی لوح پر نقش ہوتا چلا گیا۔

یقیناً حج اللہ کی طرف سے بلاوا ہوتا ہے اور حاجی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، ''ضیوف الرحمٰن'' ہوتے ہیں۔ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مہمانوں کی فہرست میں ہمارا نام شامل نہیں کیا تھا، مگر ہم بھی لائن توڑ کر باہر نہ نکلے اور لائن میں لگے رہے۔

2019ء میں زادِ راہ مکمل نہ تھا، وسائل محدود تھے اس لیے خواہش کے باوجود حج کی درخواست جمع کروانے کی ہمت نہ تھی۔ درخواست جمع کروانے کی آخری تاریخ تیزی سے قریب آ رہی تھی یہاں تک کہ آخری ہفتہ اور ہفتے میں کام کے فقط پانچ دن رہ گئے تھے۔

اسی دوران جب میرے محسن، میرے سسر نے اپنی بیٹی کی زبانی یہ سنا کہ اس دفعہ حج کی درخواست جمع کروانے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ مہربان ہوئے کہ تیسرا موقع

ضائع نہیں کرنا چاہیے اور چوتھی مرتبہ تو بغیر قرعہ اندازی کے ہی نام آ جاتا ہے لہٰذا درخواست جمع کروا دی گئی۔

وزارتِ حج کا پیغام

قرعہ اندازی میں بار بار ناکامی کے باوجود مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں رفتہ رفتہ یہ سفر طے کر رہا ہوں، ارادہ ہر دفعہ زیادہ پختہ ہوتا جاتا، اللہ کی ذات کے فیصلوں پر توکل اور بڑھ جاتا اور لفظ ''حج'' یا ''حاجی'' کی تکرار میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔

12 مارچ 2019ء کی شام مغرب کی نماز کے لیے مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ موبائل فون کی آواز بند کرنے کے لیے موبائل آن کیا تو وزارتِ حج کے پیغام ''درخواست نمبر 15912854 محمد شعیب اختر کو حج 2019 کی قرعہ اندازی میں کامیابی مبارک ہو۔ وزارت مذہبی اُمور (6:34pm)'' نے مجھے ساکت کر دیا۔ میں نے سوچا شاید غلط پڑھا، پھر پڑھا، پھر پڑھا، آواز حلق میں پھنس گئی، آنسوؤں پر اختیار نہ رہا، دائیں بائیں سے بے خبر کہ سڑک پر کھڑا ہوں، تشکر اور خوشی کے آنسو اُمڈ آئے۔

گھر فون ملایا تو آواز پھر حلق میں پھنس گئی، کھنکارا اور گلا صاف کرنے کی کوشش کی اور بمشکل بیوی کو بتایا کہ حج کی قرعہ اندازی میں ہم کامیاب قرار پائے ہیں، ہم منتخب ہو گئے ہیں، ہمیں چن لیا گیا ہے، ہمارا بلاوا آ گیا ہے۔ خوشی اور تشکر کے باعث جتنی مشکل سے یہ جملہ میں نے ادا کیا تھا اتنی مشکل تو تین سال سے درخواستیں جمع کروانے میں بھی پیش نہیں آئی تھی۔ مغرب کی نماز آنسوؤں سے پڑھی، جتنی تسبیحات یاد تھیں اپنے ربّ کے حضور پیش کر دیں۔ موبائل کھولا پھر پیغام (ایس ایم ایس) پڑھا۔ آنسو تھے اور سجدہ شکر تھا۔ الفاظ دل کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

سفر کی ابتداء

5 جولائی 2019ء کراچی سے حاجیوں کی پہلی پرواز کو رخصت کرنے کے لیے گورنر سندھ کراچی ائیرپورٹ پر آئے رسمی گفتگو اور رسمی پھولوں کے ہار چند ایک حاجیوں کو پہنائے گئے۔فوٹو شوٹ ہوا......

جہاز میں پہنچ کر ماحول تبدیل ہو گیا تھا اگرچہ مدینے کی پرواز ہونے کی وجہ سے کوئی بھی حاجی احرام میں نہ تھا پھر بھی سب لوگ ''حاجی'' لگ رہے تھے۔ چہروں پر طمانیت تھی کیونکہ یہ سب منتخب لوگ تھے،قرعہ اندازی میں ربِّ رحیم نے ان لوگوں کو چن لیا تھا۔ ہر چہرے کے پیچھے ایک داستان تھی، جدوجہد کی، مستقل مزاجی کی، ناکامی ناکامی اور پھر اچانک کامیاب قرار پانے والے پیغام کی۔ خواتین باپردہ تھیں اسکارف اورعبایا زیب تن کیا ہوا تھا۔

چونکہ یہ تو منتخب لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں چھانٹ چھانٹ کر الگ کیا تھا، لہٰذا جس ترتیب اور تربیت سے یہ لوگ گزر کر آئے تھے حاجی حاجی سے لگ رہے تھے۔''ضیوف الرحمٰن (اللہ کے مہمان) تھے اور میں بھی ان میں شامل تھا، یہ احساس دل کی گہرائیوں میں اُتر رہا تھا۔ ہم تیزی کے ساتھ کراچی اور اپنے ماضی سے کٹ رہے تھے،آنے والی منزل کے خدوخال ذہن میں اپنے نقش بنا رہے تھے۔ ہم مدینہ پھر مکہ یعنی حج کے سفر پر رواں دواں تھے۔

یہ دورِ جدید کا جدید سفر تھا، ہم نے مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے کرنا تھا۔ یہی سفر پہلے وقتوں میں اُونٹوں اور خچروں پر ہوتا تھا۔مختلف ممالک کے قافلے کسی ایک مقام پر جمع ہو کر ملتے اور ایک بڑے قافلے کی شکل اختیار کرتے تاکہ راستے اور سفر کی صعوبتوں کا بآسانی مقابلہ کرسکیں۔صحرا، جنگل، پہاڑ اور دھوپ کی تمازت میں جگہ جگہ پڑاؤ،سفر، پڑاؤ اور پھر سفر تب یہ قافلے منزل مقصود پر پہنچتے تھے۔ وہ بھی اللہ کے مہمان

تھے۔ ان کے سفر کی تکالیف اور سختیاں۔ سبحان اللہ۔ کتنی عزیز ہوں گی اس مالک کو جس کے گھر کا طواف و زیارت کرنے کے لیے یہ سب کچھ برداشت کی جا رہی ہوں گی۔ یہ دور قدیم والوں کی قربانیوں کا صلہ ہے شاید جو ہم جیسے دور جدید کے مسافروں کو ان سختیوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ نہ قافلوں نے پڑاؤ ڈالا نہ صحرا، جنگل اور پہاڑ عبور کیے۔ نہ کوئی ڈر، نہ خوف، ایئر کنڈیشنڈ ماحول اور مستعد فضائی میزبان، اپنی نشست سے ہلے بغیر کھانا پینا مل گیا۔ مہینوں والا سفر فقط چار گھنٹے میں کٹ گیا۔ ہاں، البتہ دور قدیم کے قافلے والوں میں اور دور جدید کے جہازی مسافروں میں ایک چیز قدرے مشترک تھی اور وہ تھی اپنے ربّ کے حضور پیشی، دل کی تڑپ، اس کی رضا کی چاہت، گناہوں کی بخشش، آنسوؤں کی لڑی اور رسول کریم ﷺ کے دیس حاضری، درود کا نذرانہ، تصوراتی ایمان کی کھلی آنکھوں سے زیارت۔

مدینہ ائیر پورٹ آمد (جولائی 2019۔6 ذیقعد 1440 ہجری)

مدینہ ائیر پورٹ پر اُترنے کا اعلان سن کر تسبیح، درود اور تجسس میں لمحہ بہ لمحہ تبدیلی آرہی تھی، نظریں جہاز کی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں کہ یہ سرزمین کیسی ہے، اسکا ائیر پورٹ کیسا ہے، اسکی بلڈنگ اور روڈ کیسے ہیں اور اس کے لوگ کیسے ہیں؟ ائیر پورٹ کا عملہ عربی لباس میں متاثر کن لگ رہا تھا۔ جی یا حاجی یہ عربیوں کے لہجے سے سن کر بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ ائیر پورٹ پر عملہ اور امیگریشن کاؤنٹر حسب ضرورت تھے اور حجاج کو امیگریشن کے مراحل سے گزارنے کی رفتار بھی متاثر کن تھی۔

Luggage Belt پر جو سامان لاؤنج میں پہنچ رہا تھا مقامی عملہ اسے Belt سے اُتار کر فرش پر ترتیب سے رکھتا جاتا، جہاں سے حاجی ڈھونڈ کر اپنا اپنا سامان لے رہے تھے۔ یہ عمل ہمارے ائیر پورٹ سے مختلف تھا۔ ہمارے ہاں سامان Belt پر ہی گھومتا

رہتا ہے خواہ اس کے سات چکر بھی پورے ہو جائیں۔

ائیر پورٹ سے باہر مقامی اور وزارتِ حج کے رہنمائی کرنے والے افراد موجود تھے جنھوں نے سامان ٹرک میں لاد دیا اور مسافروں کو بسوں میں بٹھا دیا۔ بسوں میں بیٹھ کر قدرے طویل انتظار کرنا پڑا تاکہ جہاز کے تمام مسافر بسوں میں بیٹھ جائیں۔ فہرستوں کے ساتھ عملہ ہر بس میں داخل ہو کر حاجیوں کے پاسپورٹ جمع کرتا رہا اور اپنی گنتی مکمل کرتا رہا۔ اسی اثنا میں حجاج کی مہمان نوازی شروع ہو گئی تھی، بس میں پیکٹ تقسیم کیے گئے جن میں پانی کی بوتل، جوس، کھجور اور بسکٹ وغیرہ تھے۔ ان سب میں زیادہ پُرکشش پانی اور کھجور تھے جسے مجھ سمیت تمام حجاج نے آب زم زم سمجھ کر غٹا غٹ پی لیا اگرچہ یہ سادہ پانی تھا۔

مجھے اپنی اور حاجیوں کی یہ معصومیت بہت بھلی لگی جس میں آب زم زم کی محبت اس سے مذہبی اور روحانی لگاؤ اور تڑپ ظاہر ہو رہی تھی کہ سرزمینِ حجاز کا پاکیزہ مقدس پانی ہمارے ہونٹوں سے لگے اور اس آب زم زم کی برکات سے ہم فیض یاب ہونا شروع ہو جائیں۔ البتہ ائیر پورٹ سے ہوٹل جاتے ہوئے حج ٹرمینل پر ہمیں کھانے کا جو باکس دیا گیا اس میں آب زم زم ہی تھا۔

فندق مواقیت (مدینہ منورہ)

بس جونہی ہوٹل کے قریب پہنچی جو مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب ہی تھا تو دور سے مسجدِ نبوی ﷺ کے مینار نظر آنے لگے۔ سارے حاجی اُٹھ اُٹھ کر بس کی کھڑکیوں کے ساتھ چمٹ گئے۔ سبحان اللہ اور درود شریف کی آوازوں سے بس گونجنے لگی۔ ائیر پورٹ کی طرح ہوٹل کے استقبالیہ میں بھی حاجیوں کا تمام سامان فرش پر پھیلا دیا گیا تاکہ لوگ اپنے اپنے بیگ تلاش کر کے لے جائیں۔ ہوٹل کے فرش پر بیگ ہی

بیگ تھے، حاجی ہی حاجی تھے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ حاجیوں کے لیے کمروں کے نمبر پہلے سے تقسیم نہیں کیے گئے تھے اور نہ ہی وزارتِ حج کا کوئی مناسب پڑھا لکھا شخص موجود تھا جو اتنے بڑے ہجوم، تقریباً چار سو حاجیوں کو احسن طریقے سے نمٹ سکے۔ انتہائی جونیئر سٹاف نے حاجیوں سے ازخود اپنے چار سے چھ افراد کے گروپ بنانے کا کہہ کر کمروں کی چابیاں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ بس پھر کیا تھا کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لائن اور انتظار کے ہم عادی نہیں تھے۔ وزارتِ حج کے بچگانہ سٹاف کی آوازیں، حاجیوں کی آوازیں، شور ہی شور۔ میں اپنے خیالات میں ارضِ مقدس سے چند ہی لمحوں میں واپس پاکستان پہنچ گیا۔ دراصل اس مقدس سرزمین پر اتنے بے ہنگم شور شرابے کے ساتھ کھڑا ہونا بہت ہی معیوب سا لگ رہا تھا۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضری

ہمارا چار حاجیوں کا گروپ بن گیا تھا۔ تنویر احمد وارثی، محمد لطیف، عمر اور میں ایک کمرے کے باسی اور اس خود ساختہ گروپ کا حصہ تھے۔ ہماری خواتین دوسرے کمرے میں ایک ساتھ رہائش پذیر ہوگئیں۔ اس رش میں جو سامان ملا اپنے کمروں میں رکھ لیا اور باقی سامان مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت کے بعد لینے کے لیے چھوڑ دیا تاکہ حاضری میں تاخیر نہ ہو۔

غالباً رات کے بارہ یا ساڑھے بارہ بج رہے ہوں گے جب ہم لوگ غسل کر کے تیار ہو کر ہوٹل سے نکل پڑے کہ اب سرور کائنات، محمد عربی، خاتم الانبیاء ﷺ کے در اقدس پر حاضری دینی ہے۔ مسجدِ نبوی جانا ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ زیادہ دور نہ تھی، ہوٹل سے چند سو گز کے فاصلے پر ایک گلی کا موڑ مڑنے کے بعد مسجدِ نبوی ﷺ کا صحن، مینار اور پھر روضۂ رسول ﷺ کا سبز گنبد نظر آنا

شروع ہو گیا۔ جیسے ہی یہ منظر آنکھوں کے سامنے آیا آنکھیں پتھرا گئیں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے صلب ہو گئی ہو، دل کو اس منظر کی حقیقت کا یقین نہیں ہو رہا تھا، یہ سب تو میں نے تصویروں میں یا ٹیلی ویژن میں دیکھا تھا، کتابوں میں پڑھا تھا۔

میں نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا کہ کیا واقعی میرے قدموں کے نیچے مسجدِ نبوی ﷺ کا ہی فرش ہے۔ کبھی میں مسجدِ نبوی ﷺ کے میناروں کو دیکھتا، کبھی سبز گنبد کو دیکھتا اور دل میں خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ مسجدِ نبوی ﷺ کے اس منظر کو ایک ہی نظر میں قید کر لوں۔ میں اپنے وجود کی حقیقت کو محسوس کر رہا تھا اور اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ میں آج اس پاکیزہ، روشن اور منور جگہ پر موجود ہوں۔ شہر میں اگرچہ آدھی رات ہو گئی تھی، مگر یہاں مسجد کا چپہ چپہ بقعۂ نور تھا۔ روشنی، تزئین و آرائش، صفائی ستھرائی قابل ستائش تھی۔ یہ دلکش اور پاکیزہ منظر مجھے اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ دل اپنی تمام تر چاہت کے ساتھ زبان پر اُمڈ آیا اور درود و سلام، تسبیحات اور دُعاؤں کا نذرانہ پیش کیے جا رہا تھا۔

میں اس منظر کی عکاسی کرنے سے قاصر ہوں۔ بس یوں سمجھ لیں جیسے کوئی ان پڑھ دیہاتی، گاؤں کا سادہ باسی بقعہ نور میں، روشنیوں کے جھرمٹ میں گھر گیا ہو۔ حیرت اور تشکر کے جذبات کے ساتھ گیٹ نمبر 6 سے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے، دائیں بائیں دیکھتے زبان پہ درود و سلام کا ورد کرتے باب السلام کی طرف بڑھتے رہے۔ باب السلام سے داخل ہونے کے بعد چند قدم آگے اُلٹے ہاتھ پر منبر رسول ﷺ ہے، اس سے آگے محرابِ رسول ﷺ ہے اور اس سے چند قدم آگے آپ ﷺ کا روضۂ مبارک ہے۔ آپ ﷺ کے ممبر سے لے کر آپ ﷺ کے روضہ تک کا حصہ جنت کا ٹکڑا ہے، جنت کی کیاری ہے، ریاض الجنتہ ہے۔

ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ کے سحر میں اتنے کھو گئے کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ کب باب السلام میں داخل ہوئے اور کب روضۂ رسول ﷺ پر پہنچ گئے۔ باب السلام جسے گیٹ نمبر

1 سے منسوب کیا جاتا ہے سیدھا روضۂ رسول ﷺ تک جاتا ہے۔اس گیٹ سے لے کر روضۂ رسول ﷺ تک فرش پر خوبصورت قالین بچھے ہیں، دیواریں قرآنی آیات کے نقش سے مزین ہیں اور برقی قمقمے گویا نور کی برسات کر رہے ہوں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ''جنت'' میں داخل ہو گئے ہیں۔ روضۂ رسول ﷺ آنکھوں کے سامنے تھا۔ سبز جالیوں میں تین دائروں سے نبی مکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے روضۂ مبارک کی نشاندہی کی گئی تھی۔ خوشبوؤں کی لپٹیں دور سے محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ سب خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی، ایسی حقیقت جو تخیل میں کہیں چھپی بیٹھی تھی، جو کتابوں اور تصویروں میں مقید تھی۔ یہ تصور ناقابل بیان ہے کہ میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بنفسِ نفیس موجود ہوں۔ میں اس ہستی کے روضہ پر کھڑا ہوں جو دُنیا کے بہترین انسان ہیں، جو بہترین سپہ سالار اور مجاہد ہیں، جو دُنیا کے بہترین معیشت دان ہیں، جو دُنیا کے بہترین سیاستدان ہیں، جو دُنیا کے بہترین مبلغ اور بہترین لیڈر ہیں، جو رحمۃ للعالمین ہیں، جو سیّدالانبیاء ﷺ ہیں، جو محسنِ انسانیت ہیں۔ زبان پر صلاۃ وسلام کے نذرانے ہیں اور آنکھوں سے اشکوں کی مسلسل برسات ہے۔ رب کائنات کا شکر کیسے ادا کروں کہ میں ان چھانٹی کیے ہوئے لوگوں میں سے ہوں، میں چنا گیا ہوں، میں ضیوف الرحمٰن ہوں۔ میں بنفس نفیس حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں درود وسلام کا نذرانہ لیے کھڑا ہوں اور اللہ جلِ شانہ اور فرشتوں کی پیروی کرتے ہوئے نبی ﷺ پر درود وسلام پیش کر رہا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْاعَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. [الاحزاب].

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ریاض الجنتہ میں نوافل

چونکہ کراچی سے ہماری پہلی پرواز تھی اس لیے ہمیں ابتداء میں روضۂ رسول ﷺ اور ریاض الجنتہ میں بہت کم رش ملا، روضہ رسول ﷺ پر حاضری دینے کے بعد ریاض الجنتہ میں نوافل کی ادائیگی کے لیے جگہ تقریباً آسانی سے ہی مل گئی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی اور ربِّ رحیم کا خاص کرم تھا کہ یہ جگہ مجھے منبر رسول ﷺ کے بالکل ساتھ ملی۔ میں نفل پڑھ رہا تھا اور میرا کاندھا، میرا پہلو ممبر رسول ﷺ سے مس کر رہا تھا، سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

نور اور تجلیات کی بہاریں تھیں۔ یہاں اک سحر تھا جو سرتاپا طاری تھا۔ میں ریاض الجنتہ میں تھا۔ منبر رسول ﷺ میری دسترس میں تھا، یہ فضل و کرم یہ انعامات کی بارش پہلی ہی رات میں نصیب ہوئی۔ الحمدلِلّٰہ ربّ العالمین۔

رات ریاض الجنتہ میں گزاری، نوافل، تہجد اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد واپس ہوٹل آ گئے۔

یہ مدینہ ہے

سینکڑوں سال پہلے بھی حجاج کرام اس شہر اور حرم مدینہ کا سفر دور دراز کے علاقوں سے کرتے تھے۔ اللہ کی رضا سے سفر کے ارادے باندھتے تھے۔ طویل سفر، ریگستان، صحرا کی کڑی دھوپ اور اس سفر کی سختیاں حاجیوں کے پختہ ایمان کے سامنے زمین بوس ہو جاتی تھیں۔ یہ قافلے جگہ جگہ پڑاؤ ڈال کر اور کبھی لٹتے لٹاتے یہاں پہنچتے تھے۔ اُونٹوں پر یہ سفر تقریباً 16 میل فی دن کے حساب سے طے کرتے تھے۔ محبت، عقیدت، چاہت اور تڑپ تو اس وقت بھی ایسی ہی خالص تھی جب سہولتیں ناپید تھیں۔ سفر کی صعوبتیں محبت اور عقیدت کے اس سفر میں کبھی حائل ہوئی ہی نہ تھیں۔

آج ہم خوش قسمت ہیں، ربِّ رحیم ہم پر مہربان ہے کہ مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ کھانے، پینے، سفر اور موسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ جہاز، بس ہوٹل اور مسجدِ نبوی ﷺ سب ائیر کنڈیشنڈ ہیں۔ ٹیکنالوجی نے سہولیات اور ماحول پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا ہے۔ فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے مگر جو چیز تبدیل نہیں ہوئی، جس میں فرق نہیں آیا وہ عقیدت ہے، محبت ہے، دل کی لگن اور چاہت ہے۔

آج بھی اس پاکیزہ سفر کو اختیار کرنے کے پیچھے یہی عقیدت، محبت اور ربّ کریم کا فضل کارفرما ہے، نہ کل یہاں راحتوں اور آسائشوں کے متلاشی آتے تھے اور نہ ہی آج یہ راحتیں اور آسائشیں مطمع نظر ہیں۔

یہ مدینتہ النبی ﷺ ہے، یہ انصار اور مہاجرین کا شہر ہے، یہ بدر، احد اور خندق کے شہیدوں اور غازیوں کا شہر ہے، یہ ان لوگوں کا شہر ہے جن کو جنت کی بشارتیں اسی سرزمین پر مل گئی تھیں۔ اس شہر میں قدم قدم پر زیارتیں ہیں، چپہ چپہ قابل فخر اور مقدس ہے۔

یہاں روضۂ رسول ﷺ ہے، یہاں ریاض الجنتہ ہے، یہاں جنت البقیع ہے، یہاں مسجدِ قباء ہے، جہاں نماز کا ثواب ایک مقبول عمرے کے برابر ہے، یہاں مسجدِ قبلتین ہے جہاں دورانِ نماز اللہ کے حکم سے قبلہ تبدیل ہو گیا تھا، یہاں میدان بدر اور شہداءِ بدر کی قبریں ہیں، یہاں جبلِ اُحد اور شہداءِ اُحد کی قبریں ہیں، یہاں مقامِ خندق ہے اور اس مقام پر جہاں صحابہ کے خیمے تھے مساجد کے آثار ہیں۔

یہ مدینہ ہے یہاں جبرئیل امین کی آمد و رفت رہتی تھی، یہاں عشرہ مبشرہ کی چہل پہل تھی، یہاں خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کی مبارک قبریں ہیں۔ یہ اسلام کے سرفروشوں کی قربان گاہ ہے، یہ ان لوگوں کی سرزمین ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔ یہ مدینہ ہے، محبت اور امن کا شہر ہے۔

یہ مسجدِ نبوی ﷺ ہے

مسجدِ نبوی ﷺ دُنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے اس میں تقریباً دس لاکھ لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے دس مینار ہیں اور اُن کی بلندی 105 میٹر تک ہے، یہ دُنیا کی خوبصورت ترین مساجد اور بلڈنگ میں اول درجہ رکھتی ہے۔ اس میں خودکار زینے، زیرِ زمین وضو خانے اور خودکار چھتریاں زائرین کو بہت سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ ساری مسجد ائیر کنڈیشنڈ ہے، قالین نہایت خوبصورت اور آرام دہ ہیں۔ مسجد میں جگہ جگہ آبِ زم زم کے کولر ہیں، صحنِ مسجد میں پانی کی ٹھنڈی پھوار چھینکتے پنکھے لگے ہیں۔

1909ء میں عرب کے اس خطہ میں مسجدِ نبوی ﷺ کو سب سے پہلے بجلی فراہم کی گئی، زمین کا یہ خطہ جہاں کھجوریں سکھانے کا کام ہوتا تھا ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے اسے خرید کر مسجد قائم کی۔ ابتدائی طور پر یہ مسجد کھجور کے پتوں اور مٹی کے گارے سے تیار ہوئی تھی، چھت کی بلندی 11 فٹ 8 انچ رکھی گئی، چھت کھجور کے پتوں اور مٹی کے گارے سے لیپ دی گئی تھی، ہجرت کے بعد محمد عربی ﷺ نے جب یہ مسجد تیار کی تو یہ مسجد بیک وقت نماز پڑھنے کی جگہ بھی تھی، یہ مسجد عدالت بھی تھی اور نبی ﷺ یہیں پر فیصلے صادر فرماتے تھے، یہ کمیونٹی سنٹر بھی تھا جہاں معاشرتی سرگرمیوں کو جگہ دی جاتی، یہ ابتدائی مذہبی سکول بھی تھا جہاں دین اسلام کی تعلیم اور تربیت بھی کی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے اصحابِ صفہ کا چبوترا تعمیر کیا گیا تھا۔ اگرچہ نئی اور پرانی مسجدِ نبوی ﷺ میں فنِ تعمیر کے حساب سے، سہولیات کے حساب سے، گنجائش کے حساب سے زمین و آسمان کا فرق ہے، مگر ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ اس کی تجلیات ہیں، اس کی برکات ہیں، اس کا کیف و سرور ہے اور سب سے بڑھ کر اس کا پیغام ہے۔ جو کل بھی وہی تھا اور آج بھی وہی ہے ''اللہ ہم سب کا ربّ ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور

رسول ہیں''۔اور''اگرتم اللہ سے محبت کرتے ہوتو تم میری (محمدﷺ) کی باتیں مان کر زندگی گزارواوراللہ تم سے محبت کرے گا اورتمھارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔''

کی محمدﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہم تو جمعہ کے جمعہ اورفٹا فٹ والے نمازی تھے،نماز کیا بس کام نمٹانا ہوتا تھا۔مگر یہاں مسجدِ نبویﷺ میں فجر سے پہلے تہجد کی اذان ہوتی تھی۔تہجد کی نماز بھی پڑھتے تھے،مغرب کی اذان کے بعد دونفل بھی پڑھے جاتے تھے،لمبی لمبی سورتوں کی تلاوت ہوتی تھی،اکثر نمازوں کے بعد نماز جنازہ بھی ہوتا تھا۔مسجدِ نبویﷺ کی نمازوں نے تو ہماری نمازوں کا قبلہ درست کر دیا تھا، ہم پرانی مسجدِ نبویﷺ کے نمازیوں اور باسیوں کی قطار میں کھڑے ہوگئے تھے۔جب جب اس مسجد کی توسیع ہوئی اس کے ستون ہراس دور کی عکاسی کر رہے تھے جنکا ڈیزائن،نقش ونگار دوسرے ستونوں سے مختلف تھا۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ کون سا حصہ سب سے پرانا ہے،کون سا اس کے بعد کا اوراس کے بعد کا ہے۔ میں نے تمام پرانے اور نئے حصوں سے ایک ہی پیغام نشر ہوتے ہوے سنا ،کہ''اللہ تم سے اس وقت محبت کرے گا جب میری محمدﷺ کی اطباءکروگے۔''

موبائل کی سم تبدیل ہوگئی

مدینہ ائیرپورٹ پر اُترتے ہی تمام حجاج کا اپنے اپنے ملک کے نیٹ ورک سے رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔سب لوگ نئے نیٹ ورک کے ساتھ منسلک ہونے کے لیے اپنے موبائل سسٹم میں نئی اور''مدنی'' سم لگوارہے تھے۔ ہمارے موبائل سسٹم میں نئی سم کیا

لگی گویا کایا ہی پلٹ گئی۔ جب ہم پرانے نیٹ ورک سے منسلک تھے تو رات کو تین بجے اُٹھ کر مسجد کی طرف کب بھاگتے تھے، باجماعت نمازیں اور نماز کے بعد اگلی نماز کا انتظار کب کرتے تھے، اشراق کا وقت کسے معلوم تھا، نوافل اور تسبیحات کی تو پرانے نیٹ ورک کی میموری میں جگہ ہی نہ تھی۔

یہ سب اس نئی سم اور نئے نیٹ ورک کا کمال تھا جس سے ہم منسلک ہو گئے تھے۔ اس نیٹ ورک کے سگنل بہت مضبوط تھے، اس کا کنٹرول ٹاور روضۂ رسولﷺ کے اندر تھا۔ رات کا ابتدائی پہر ہو یا آخری، ہوٹل سے باہر نکلو تو لوگوں کی بھیڑ مسجد کی طرف دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی۔ پاکستانی، انڈین، انڈونیشیا، ملائیشیا، بنگلہ دیش، چین، نائیجریا، کینیا، روسی ریاستیں، امریکی ریاستیں، عرب ریاستیں سب کی سب ایک ہی نیٹ ورک سے منسلک ہوگئی تھیں۔ سب ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں تھے سب کی سمیں جو تبدیل ہوگئی تھیں۔ یہ لوگ سروں پر رنگ برنگی ٹوپیاں رکھے، ہاتھوں میں تسبیح تھامے روڈ پر، صحن مسجد میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مَیں کبھی کبھی غیر شعوری طور پر اس سارے منظر نامے کی محبت میں تقسیم پر رضا مند نہ ہوتا، لیکن اگلے ہی لمحے یوں محسوس ہوتا کہ یہ لوگ بھی ہمارا حصہ ہیں، یہ لوگ بھی اسی کنٹرول ٹاور سے رابطے میں ہیں۔ ان سب لوگوں نے بھی اپنی سمیں تبدیل کر لی ہیں اور اُن کے موبائل سسٹم پر بھی سگنل بہت مضبوطی سے آ رہے ہیں۔

مسجدِ نبویﷺ کے پرانے حصے میں اصحابِ صفہ کے چبوترے میں، ریاض الجنتہ اور روضۂ رسول ﷺ میں ایک خاص مقناطیسی کشش تھی جو تمام زائرین کو اپنی طرف کھینچے چلی جاتی تھی لہٰذا میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ میں یہ سم پاکستان لے جاؤں گا تاکہ مدنی کنٹرول ٹاور سے رابطہ ایسے ہی مضبوط رہے۔

اس مقناطیسی کشش کے باعث یہاں ہر وقت بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اس بھیڑ اور کشمکش سے بچنے کے لیے میں کبھی کبھی مسجدِ نبوی ﷺ کے پچھلے حصے میں جہاں بھیڑ کم

ہوتی تھی نماز پڑھ لیتا تھا، مگر رفتہ رفتہ، مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے، غیر ارادی طور پر رش کا حساب لگاتا ہوا کہ شاید اب رش کم ہو گا، شاید اب جگہ مل جائے گی اصحاب صفہ کے چبوترے پر اور پھر کھسک کھسک کر ریاض الجنتہ میں پہنچ جاتا۔ یہ سفر روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دے کر اختتام پذیر ہوتا۔ یہ زمین کے اس ٹکڑے کی مقناطیسی کشش اور کنٹرول ٹاور کے سگنل ہی تھے جو مجھے مسجد کے پچھلے حصے سے کھینچ کر آگے لے آتے تھے۔

زیارتوں پر روانگی

مدینے کی زیارتوں کی چاہت کسے نہ ہو گی۔ یہ اشتیاق اور قدم قدم پر کتابی قصوں کو حقیقت میں ڈھلتے دیکھ کر اپنی خوش بختی پر ناز ہوتا تھا اور یقین کرنا مشکل ہوتا کہ واقعی میں آج مدینے میں ان بابرکت مقامات پر کھڑا ہوں جہاں صدیوں پہلے امام الانبیاء ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور اللہ کے پسندیدہ لوگ رہتے تھے، چلتے پھرتے تھے اور اپنے ربّ کی راہ میں ہجرت، تبلیغ اور جہاد کرتے تھے۔

''فندق مواقیت'' سے بس روانہ ہوئی تو چند کلومیٹر کے فاصلے پر پہلی منزل، پہلی زیارت مسجدِ قباء کی تھی۔ بس کا میزبان مائیک پر زیارتوں کی تفصیل بیان کرتا جا رہا تھا۔ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا ایک مقبول عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ دو نفل نماز پڑھ کر دل کو بہت طمانیت محسوس ہوئی اور دل میں خیال گزرا، سبحان اللہ! میں ایک مقبول عمرے کا مستحق ٹھہرا ہوں (ان شاء اللہ)۔

یہ مسجد قبلتین ہے، یہاں جبرئیلِ امین وحی لے کر حاضر ہوئے ہوں گے اور اللہ کا حکم سنایا ہو گا کہ قبلہ تبدیل کر لیجیۓ، آپ ﷺ کا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا قبول کر لیا گیا ہے۔ سبحان اللہ! مجھ جیسا خطا کار ایسے مقامات کے لمس محسوس کر رہا تھا، نفل پڑھ

رہا تھا، اس سے قبل کہ سر سجدے میں جائے دل و نگاہ سجدہ ریز ہو جاتی تھی۔

یہ جبلِ احد ہے، سخت جان اور سیاہ پتھر کا پہاڑ، شدید گرمی میں تپتی دھوپ میں اہلِ ایمان کی قربانی اور ان کے جذبۂ جہاد کی گواہی دے رہا تھا۔ میں آج اس پہاڑ پر، ان پتھروں پر کھڑا محو حیرت تھا۔ تیرانداز کہاں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ تنگ گھاٹی سے دشمن کیسے پلٹ کر آیا ہوگا؟ جبل احد کے سامنے شہداءِ احد کا قبرستان ہے۔ اس میں حضرت امیر حمزہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنهم کے ساتھ مدفون ہیں اور اپنے اللہ کے پاس رزق پا رہے ہیں جس کا ہمیں شعور نہیں ہے۔

یہ میدانِ بدر ہے، جہاں اسلام کی پہلی اور فیصلہ کن جنگ 17 رمضان المبارک کو لڑی گئی۔ 313 صحابۂ کرام رضی اللہ عنهم نے 1000 کفار کو شکست دی۔ یہ وہ میدان ہے جہاں آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور جنگ میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسا کر کفار کی زمین میں کیچڑ اور ایمان والوں کی ریتلی زمین میں ان کے پیر جما دیئے۔ جس جگہ نبی کریم ﷺ کا خیمہ تھا وہاں ''مسجد عریش'' بنا دی گئی ہے یہاں ہم نے دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ میدان بدر سے کچھ فرلانگ کے فاصلے پر شہداء بدر کا قبرستان ہے، یہاں بس سے اُترنے کی اجازت نہیں ہے۔ چار دیواری میں قبریں ہیں صرف بس کی کھڑکی سے زیارت کر سکتے ہیں۔

یہ قابل فخر مٹی ہے۔ یہ معجزات کی سرزمین ہے۔ اور مجھ جیسا خاکسار منتخب ہو کر یہاں تک چلا آیا ہے۔ اے ربِّ رحیم یہ تیرا فضل و کرم اور نعمتیں ہیں کہ تو ہمیں یہاں لے آیا ہے۔ اپنا انعام و اکرام اور رحمتیں نازل فرما ان نیک طینت ہستیوں پر جنھوں نے اپنی جان و مال تیری راہ میں کھپا کر اس دین کو سربلندی عطا کی اور ہم جیسے گناہگار اس دورِ جدید میں تمام تر سہولتوں کے ساتھ اس دین سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اے اللہ قیامت کے دن ہمیں انبیاء علیہ السلام، صدیقین اور شہدا کی صف میں کھڑا

فرمانا۔آمین۔

مقامِ خندق کی زیارت بس میں بیٹھے بیٹھے کی گئی۔ بقول بس کے میزبان کے جس روڈ پر چند لمحات کے لیے بس رُکی تھی اس روڈ کے نیچے ہی وہ جگہ ہے جہاں خندق کھودی گئی تھی اور اس سے متصل پہاڑی پر پانچ مساجد کے آثار آج بھی موجود ہیں جہاں نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم کا خیمہ لگایا گیا تھا۔

زیارت کے اس سفر میں ایک کھجور کا باغ اور اس باغ کی ''فیئر پرائس شاپ'' کا دیکھنا بھی شامل تھا جو اپنی نوعیت کا ایک انوکھا تجربہ تھا۔

مسجدِ نبوی ﷺ سے متصل مسجدِ غمامہ ہے۔ جہاں حضور ﷺ نے بارش کی دُعا کی تھی اور بادل کا ٹکڑا حاضر ہوکر بارش برسا گیا تھا۔مسجدِ غمامہ کے بالکل سامنے مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اس مسجد سے چند قدم کے فاصلے پر مسجدِ علی رضی اللہ عنہ ہے یہ تینوں مساجد، مسجدِ نبوی ﷺ سے قریب تر ہیں اس لیے ان میں نماز اوراذان کا اہتمام نہیں ہوتا لٰہذا یہ بند ہی رہتی ہیں۔البتہ باہر سے ان کی زیارت کی جا سکتی ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ کے بالکل ساتھ جنت البقیع ہے۔ یہاں اُمہات المومنین رضی اللہ عنھما، صحابہ کرامؓ اور رسول کریم ﷺ کے اہل وعیال مدفون ہیں۔کسی قبر پر نشاندہی کے لیئے کتبہ اور گنبد نہیں ہے ۔ پولیس والے قبرستان میں کسی کو رکنے نہیں دیتے۔خواتین قبرستان کے باہر، جالیوں کے پاس سے زیارت کرسکتی ہیں۔

روضۂ رسول ﷺ سے متصل اصحابِ صفہ کا چبوترا ہے یہاں پر حج کے ایام میں خاصا رش ہوتا ہے اور جگہ آسانی سے نہیں ملتی، یہاں لوگ نوافل پڑھتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، تسبیحات کرتے ہیں اور روضۂ رسول ﷺ کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اصحابِ صفہ اور ریاض الجنتہ میں عبادت کا ایک الگ ہی لطف ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مدینہ کے بازار

مسجدِ نبویﷺ کے چاروں طرف بلند و بالا اور خوبصورت ہوٹل ہیں اوران کے نیچے دکانیں ہیں، سنار کی دکانیں سونے سے لدی ہوئی ہیں، گلے کے ہار، چوڑیوں کی جسامت اور ڈیزائن دیکھ کران کا وزن ''کلوگرام'' میں محسوس ہوتا ہے۔ان زیورات کے اُوپر کوئی سکیورٹی گارڈ یا گن مین نہیں ہے، نہ ہی شیشے کے دروازے اور مقناطیسی تالے لگے ہوئے ہیں، دوکانوں کا سامان، شوکیس، کرسی و میز دکان سے باہر رکھنے کا رواج نہیں ہے۔ دوکان کا شٹر ہی اس کی حدود ہیں۔ سامان باہر رکھنے پر چالان ہو جاتا ہے اور فٹ پاتھ پیدل چلنے والوں کے لیے ہے۔ گاڑی والے زیبرا کراسنگ کی پاسداری کرتے ہیں اور پیدل چلنے والوں کو راستہ دیتے ہیں۔ گویا شہر میں قانون کی حکمرانی ہے۔شہر کا یہ چلن دل کو بہت بھایا۔

حکومت نے زائرین کی دلچسپی اور سہولت کے لیے سیاحتی بسیں مسجدِ نبویﷺ کے باہر کھڑی کی ہوئی تھیں۔ ان بسوں کی اُوپر والی منزل پر چھت نہیں تھی اور انتہائی خوبصورتی سے سجائی ہوئی تھیں،ان کا کرایہ بہت مناسب تھا۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد چلتی تھیں اور مدینہ شہر کی سیر کرواتی تھیں۔آپ ایک دفعہ ٹکٹ لے کر سارا دن استعمال کر سکتے ہیں اور کہیں بھی اُتر اور چڑھ سکتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم لوگ خواہش کے باوجود اس بس کی سواری کے لیے وقت نہ نکال سکے۔

دیگر دکانوں میں چائنہ، انڈیا، فرانس، امریکہ اور ترکی وغیرہ سے منگوائی گئی اشیاء کی بہتات ہے۔جنہیں حجاج کرام مدینہ کی متبرک سوغات سمجھ کر خریدتے رہتے ہیں۔تسبیح، جائے نماز،ٹوپی، رومال، اسکارف، جوتے، پرس، تلاوت والی گڑیا اور دیگر کھلونے وغیرہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ چائنہ اور انڈیا اسلام سے کس قدر متاثر ہیں اور رفتہ رفتہ اسلام میں ''داخل'' ہوتے جا رہے ہیں! ہم چائنہ اور انڈین نژاد مدنی تحفے لا کر رشتہ داروں میں تقسیم کرتے ہیں، جنھیں وہ پاکیزہ سرزمین کا تحفہ اور تبرک سمجھ

کر دل اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ہاں البتہ کھجور یہاں کی سوغات ہے، کھجور ''میڈ ان مدینہ'' ہے یہ تبرک ہے اسے اس مٹی سے نسبت ہے۔ کھجور کے باغات کی ''فیئر پرائس شاپ'' ہو یا مارکیٹ کی ''فیئر پرائس شاپ'' کھجور کی اقسام سے بھری پڑی ہیں: گول کھجور، لمبی کھجور، موٹی کھجور، پتلی کھجور، سیاہ کھجور، عجوہ، سکری، قلمی، دیسی، امبر کھجور ہی کھجور۔

بنگالی مارکیٹ

اس بازار کا یہ نام کیوں مشہور ہے اس کا تو مجھے علم نہیں البتہ اس بازار میں گھومتے ہوئے میں لاشعوری طور پر واپس کراچی کے صدر بازار اور بوہری بازار میں پہنچ گیا۔ معیار اور سجاوٹ دور ہی سے گاہکوں کو پکار رہی تھی چائنہ کا مال، چائنہ کا مال، انڈین اسکارف ہے، انڈین اسکارف۔ اس بھیڑ والی تنگ گلیوں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں میں مدنی نیٹ ورک کے سگنل کمزور پڑنے لگے تھے، میں نے حدیث سن رکھی ہے کہ دُنیا کی خراب ترین جگہ اس کے بازار ہوتے ہیں۔ اس راز کو میں آج سمجھا جب میں اپنے نیٹ ورک سے دور ہونے لگا تھا۔

مدینہ کے بازار مہنگے ہیں، یہ اُس وقت بھی مہنگے تھے جب 1853ء میں رچرڈ برٹن نے مسلمان کا بھیس بدل کر اُونٹوں پر حج کیا تھا۔ اور مدینہ کے بازار آج بھی بہت مہنگے ہیں جب مہینوں کا فاصلہ سمٹ کر گھنٹوں میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جذبۂ شوق آج بھی وہی ہے جو صدیوں پہلے تھا، مادی اشیاء کی گرانی عقیدت کے اس سفر میں نہ کل رکاوٹ تھی نہ آج ہے۔ یہ مدینہ النبی ﷺ ہے۔

50 اسلامی ممالک

زائرین اور حجاج بازار سے دستیاب اشیا ہی خرید سکتے ہیں خواہ معیاری ہوں یا غیر معیاری اور جس ملک سے مرضی تعلق رکھتی ہوں۔ دُنیا میں کم و بیش اسلامی ممالک کی تعداد پچاس ہے، اگر زیادہ نہیں تو ہر ملک کم از کم ایک ایک چیز بنائے اور سرزمینِ حجاز میں فروخت کے لیے پیش کردے تو کم از کم تبرک یا تحفہ خریدتے وقت اتنا احساس تو ہوگا کہ برادر اسلامی ملک کی جنس ہے۔ کچھ تو ہو جو اپنا اپنا سا لگے۔ کچھ تو ایسا ہو جسے مدنی نیٹ ورک سے نسبت ہو۔ مگر صد افسوس پانی کی بوتلیں Nestle، Aquafina، کولڈ ڈرنک میں پیپسی، کوک اور اس کے سارے برانڈ دستیاب تھے۔ KFC اور پیزا کے فاسٹ فوڈ عام دستیاب تھے۔ مجھ جیسے جذباتی مسلمان کو مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں جن سے ہمیں جذباتی لگاؤ ہے یہود و ہنود کی اشیاء کی ریل پیل ایک نظر نہ بھائی ۔کاش پچاس اسلامی ممالک اپنا پانی اور اپنی کولڈ ڈرنک ہی بنا لیتے۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مدینہ میں آخری دن

اگلے دن صبح 10 بجے بروز پیر بتاریخ 15-07-2019 مکہ مکرمہ کے لیے روانگی تھی۔سوغاتِ مدینہ کھجوریں کمرے کے تمام ممبران گروپ کی شکل میں خرید چکے تھے۔ اور اس بات پر بشمول خواتین قائل ہو چکے تھے کہ چائنہ کی اشیاء کراچی میں بہتر اور سستی مل جائینگی لہٰذا انڈین اور چائنیز تبرکات نہ خریدنے کا فیصلہ کرلیا۔

آج مسجدِ نبوی ﷺ میں پھر سے خود کو اجنبی اجنبی سا محسوس کرنے لگا تھا۔ گزشتہ آٹھ دنوں میں اس مسجد اور شہر سے جو انسیت پیدا ہوگئی تھی اس میں جدائی حائل

ہونے والی تھی۔ نہیں معلوم خدائے بزرگ و برتر دوبارہ کب مہربان ہوگا کب آنا ہوگا؟ یہ خیال ہی بے چین کر رہا تھا۔ صبح بھی روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دی۔ رات کو بھی حاضری دی۔ یہ حاضری پہلے دن والی نہ تھی اس میں جدائی کا عنصر غالب تھا۔

نماز فجر کے بعد روضۂ رسول ﷺ پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوا تو لفظ ''آخری'' ذہن میں گھنٹیاں بجانے لگا۔ میں پھر سے ساکت اور کھوئی ہوئی نظروں سے روضۂ رسول ﷺ کو تکنے لگا۔ بہت کچھ کہنا تھا جو دل ہی میں رہ گیا۔

درود وسلام ہو نبی رحمت ﷺ پر، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں نبی ﷺ پر اور مقام محمود عطا ہو۔ حوضِ کوثر پر آپ ﷺ کے ہاتھوں سے جام کوثر پینا نصیب ہو اور ہم آپ ﷺ کی شفاعت کے مستحق ٹھہریں (آمین)۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

مکہ روانگی

مسجدِ نبوی ﷺ سے فراغت کے بعد ہوٹل میں آ کے غسل کیا اور کراچی کے حاجی کیمپ میں لی گئی تربیت کی روشنی میں احرام باندھ لیا۔ یہ بہت ہی خوش کن احساس تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حج کے دائرہ میں داخل ہو گیا ہوں، وہ لباس زیب تن کر لیا ہے جو اللہ ربّ العزت کو پسند ہے، ایسا لباس جو اس کے دربار کے شایانِ شان ہے۔ ہوٹل کے کمروں اور راہداری میں سب لوگوں نے ایک ہی ''یونیفارم'' پہن رکھا تھا۔ سفید، صاف شفاف، اُجلی اُجلی چادریں، روشن اور کھلے کھلے چہرے۔ خواتین اس قافلے میں سفید اسکارف پہنے ہوئے شامل تھیں، اسکارف کے نیچے ٹوپی بھی تھی تا کہ

کوئی بال ننگا نہ رہ جائے۔ جس طرح روزے کے احکام اور پابندیاں ازبر ہوتی ہیں اسی طرح احرام کی پابندیاں یاد کر رکھی تھیں۔ میں بار بار یہ پابندیاں دہرا رہا تھا تا کہ غلطی نہ ہو جائے۔ یہ سب سے بڑے حاکم، مالک الملک اور قادرِ مطلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات تھے جن کی پابندی کرنی تھی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے فوج میں مجھے کمیشن مل گیا ہو اور پہلی دفعہ وردی زیب تن کر کے سلامی کے چبوترے کے سامنے اپنے چیف کو سلامی دینی ہو۔ کوئی غلطی نہیں کرنی، حاضر دماغی اور تابعداری سے پیش ہونا ہے اور اس قرعہ اندازی کی پاسداری بھی کرنی ہے جس کے ذریعے میں چن لیا گیا تھا، منتخب یونیفارم والے لوگوں میں شامل تھا۔

مکہ کے لیے جو لوگ مدینہ سے احرام باندھتے ہیں ان کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے ۔میقات وہ مقام ہے جہاں سے مکہ جانے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا مدینہ سے تقریباً 9 کلومیٹر کے فاصلے پر کچھ ہی دیر میں ذوالحلیفہ کی خوبصورت مسجد آ گئی۔ کچھ حجاج نے یہاں احرام باندھا، وضو کیا اور نوافل ادا کیے، یونیفارم میں ملبوس تمام حجاج کرام نے سکول کے ہونہار اور تابعدار بچوں کی طرح حاجیوں کا ترانہ پڑھا اور اپنے آپ کو اللہ کی سپردگی میں دے دیا۔ یہ بہت جذباتی، روحانی اور تشکر سے لبریز لمحات تھے جو ہماری زندگی میں پہلی دفعہ آئے تھے۔

لَبَّیْکَ أَللّٰھُمَّ لَبَّیْک، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ.

مدینہ سے مکہ کا سفر تقریباً ساڑھے پانچ یا چھ گھنٹے کا ہے اور فاصلہ تقریباً 440KM ہے۔ کشادہ اور خوبصورت موٹر وے پر حاجیوں سے بھری جدید بسیں لَبَّیْکَ أَللّٰھُمَّ لَبَّیْک کی صدا سے گونجتی ہوئیں مکہ کی جانب محوِ سفر تھیں، راستے میں دوپہر کے کھانے اور نمازِ ظہر کے لیے قدرے غیر معروف جگہ پر بسیں رکیں۔ یہاں پر

کھانے کا ایک ہی ہوٹل تھا، مسجد اور وضو خانہ وغیرہ بھی تھا۔ سفر کے دوران گزارا کرنے کے لیے کسی حد تک یہ سب مناسب تھا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ طے شدہ اسٹاپ ہے۔ بالکل پاکستان میں سپر ہائی وے کے سفر کی طرح، یہاں بھی ہوٹل والا بسوں کے ڈرائیوروں کی آؤ بھگت کر رہا تھا۔ آٹھ دس بسوں کا قافلہ آ جانے کی وجہ سے یک دم ہوٹل میں رش لگ گیا۔ تمام اشیا ختم ہونا شروع ہو گئیں تھیں خاص طور پر چائے ختم ہو گئی تھی جس کی ہمیں شدید طلب تھی، البتہ کھانا ذائقے میں اچھا تھا۔ یہاں سے چلنے سے قبل نمازِ عصر کا وقت بھی ہو گیا تھا لہٰذا ظہر کے بعد نمازِ عصر بھی قصر کر کے پڑھی اور پھر مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

بخشش کا رواج یہاں صدیوں پرانا ہے خدمت گار جب اُونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر لوگوں کو سفر کرواتے تھے تو معاوضے کے ساتھ بخشش بھی لیتے تھے۔ لہٰذا راستے میں بس کے کنڈیکٹر نے بھی انتہائی مسکراہٹ کے ساتھ بخشش کا مطالبہ کیا جو تقریباً تمام حاجیوں نے بخوشی قبول کر لیا۔

حج کے دنوں میں یہاں ہر چیز کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے لہٰذا ڈرائیور حضرات بھی دیگر شہروں سے عارضی طور پر طلب کر لیے جاتے ہیں جو مکہ شہر کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوتے۔ یہی کچھ ہماری بس کے ڈرائیور کے ساتھ بھی ہوا اور شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیگر بسوں سے بچھڑ گیا۔ پھر فون پہ فون ہونے لگے، مفت مشوروں اور نصیحتوں کی لائن لگ گئی۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تھا، وقتی طور پر پریشانی ہوئی البتہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی کوشش اور تلاش بسیار کے بعد ہم اپنے ہوٹل عزیزیہ جنوبی، ''فندق صفا المشاعر'' پہنچ گئے۔ سامان بسوں سے اُتر کر ایک مرتبہ پھر ہوٹل کے ہال کی زینت بن گیا اور حاجیوں کا جم غفیر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس ہوٹل میں حاجیوں کی تعداد مدینہ کے ہوٹل سے کئی گنا زیادہ تھی تقریباً 1400 حاجی اور ہر حاجی

کے کم از کم دو بیگ اور فقط چھ عدد لفٹیں جو حاجیوں کے غیض وغضب کے سامنے بے بس تھیں۔ ہمارے گروپ ممبران نے باہم طے کیا کہ پہلے عمرہ ادا کرلیا جائے پھر سامان کو دیکھ لیں گے، جب تک رش بھی کم ہو جائے گا لہٰذا عمرہ ادا کرنے کے لیئے ہم ہوٹل سے خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسجد الحرام، خانۂ کعبہ، بیت اللہ

کراچی میں حاجیوں کی تربیت کے دوران، کتابوں سے اور مدینہ میں گزارے دنوں میں جو باتیں بیت اللہ میں حاضری کے لیے سیکھی تھیں ان میں سرفہرست کعبۃ اللہ پر پہلی نظر کا پڑنا اور دُعا کا قبول ہونا تھا۔ لہٰذا ہر کسی کا نقطہ نظر تھا کہ خانۂ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دُعا مانگی جائے قبول ہو جاتی ہے۔ مجھے شروع میں سے اس بات سے اطمینان نہ ہوا۔ اگر پہلی نظر کی پہلی دُعا قبول ہو جاتی ہے تو دوسری دُعا اور تیسری دُعا......اور دوسری اور تیسری نظر پڑنے پر جو دُعائیں مانگیں گے کیا وہ قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچیں گی، دوسرے، تیسرے، دسویں اور بیسویں روز جو دُعائیں مانگی جائینگی کیا وہ قبول نہیں ہوں گی یا کم قبول ہوں گی یا آدھی، نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔

میں تو اللہ کے گھر آیا ہوا ہوں۔ جب میرا اللہ میرے گھر کراچی میں میری شہ رگ سے قریب ہے۔ روز رات کے پچھلے پہر آسمانِ دُنیا پر آ کے صدا لگاتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں اور مجھے کراچی میں خطبات جمعہ میں بتایا گیا تھا کہ بندہ جب اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ اس کی دُعا کو رد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ میرے بندے نے میرے سامنے ہاتھ پھیلا دیے ہیں لہٰذا خالی ہاتھ نہیں لوٹانا ہے۔

اب جو میں خانۂ کعبہ کی طرف رواں دواں ہوں تو لوگوں کو کیسے بتاؤں کہ اللہ

نے مجھے بتائے بغیر، نہ جانے کب میری دُعاؤں کو چپکے سے قبول کر لیا تھا اور میرا نام وزارتِ حج کی قرعہ اندازی میں ڈال دیا تھا۔ اور وزارتِ حج نے میرے گھر کی دہلیز پہ آ کے مجھے بتایا تھا کہ آپ منتخب ہو گئے ہیں، کسی ہستی نے آپ کا نام کمپیوٹر کی فہرست میں چڑھا دیا ہے۔ آپ کو مبارک ہو، آپ اللہ کے مہمان ہیں، آپ ضیوف الرحمٰن میں سے ہیں۔ اور اب تو میں چل کر، دور سے سفر کر کے، اپنے خالق، اپنے مالک، اپنے ربّ اللہ تعالیٰ کے گھر کی دہلیز پر آ پہنچا ہوں تو فقط پہلی نظر کا پابند کیونکر ہوں گا!! اللہ سبحانہ وتعالیٰ دوسری، تیسری، دسویں، بیسویں اور ہر ہر نظر پڑنے پر اور یہاں تک کہ جھکی ہوئی نظروں سے بھی مانگی گئی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشے گا، کیونکہ اسے اپنے بندوں کو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیا آتی ہے۔

اس یقین کے باوجود کہ پہلی نظر کے بعد بھی ان شاء اللہ میری دُعائیں قبول ہوں گی، میں نے اپنے ذہن میں بچوں کی طرح دُعاؤں کی ترتیب بنا لی تھی، اس کا سبق یاد کر لیا تھا اور دل ہی دل میں دہرا رہا تھا کہ خانۂ کعبہ پر نظر پڑتے ہی پہلی دُعا کونسی مانگنی ہے، پھر کونسی، پھر کونسی......

ہمارے گروپ میں چار مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان میں تنویر وارثی صاحب سب سے سینئر ممبر تھے۔ وہ اس سے قبل عمرہ بھی ادا کر چکے تھے، لہٰذا مدینہ میں بھی اور یہاں مکہ میں بھی وہ ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔

ہم اجیاد کے بس سٹاپ پر اُتر کر مکہ ٹاور کے برابر والی روڈ سے خانۂ کعبہ کی طرف چل دیے۔ وارثی صاحب نے ہدایت دی کہ سامنے باب الملک عبدالعزیز ہے، اس سے خانہ کعبہ باہر سے نظر آنے لگتا ہے لہٰذا سب لوگ نظریں نیچی رکھیں تا کہ ہم یہاں سے گزر کر باب السلام سے اندر حرم میں داخل ہوں جہاں مطاف میں پہنچ کر ہی کعبۃ اللہ نظر آتا ہے۔ دل و دماغ کی کیفیت میں مدوجزر پیدا ہو رہے تھے، سوچیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں کہ بیت اللہ کیسا ہو گا، طواف کہاں اور کیسے ہوتا ہے، حجرِ اسود کیسا

اور کہاں ہوگا، حطیم کیا ہے، کیسا ہے؟ اگر چہ مسجد الحرام کے میناروں نے اور اس کے بیرونی حصےّ کے حسن نے ہمیں پہلے ہی اپنے سحر میں گرفتار کر لیا تھا۔ ہم سہمے سہمے، نظریں جھکائے ہوئے باب السلام کی جانب گامزن تھے، کہ نظریں تو بس بیت اللہ کے سامنے ہی اُٹھیں گی۔ تلبیہ کی صدائیں بھی اسی ذہنی کشمکش میں مدھم سی ہو کر رہ گئیں تھیں۔ وہ جو ہم ذوالحلیفہ سے بس میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے ''میں حاضر ہوں، اے اللہ، میں حاضر ہوں'' اب یہ پکار تجسس میں اور پہلی نظر کی قبولیت میں گھر گئی تھی۔

باب السلام سے اندر داخل ہونے کے بعد صحنِ مطاف، خانۂ کعبہ، بیت اللہ سامنے آ گیا۔ بیت اللہ، اللہ کا گھر آ گیا۔ جسے جناب ابراھیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ملکر بنایا تھا۔ وہ بیت اللہ جس کی تصویریں میرے گھر میں، کتابوں میں، ٹیلی ویژن میں محفوظ تھیں، جس کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے اور جمعہ والے دن مسجد میں ہوتا تھا۔ وہ بیت اللہ عین میری نظروں کے سامنے تھا۔ میں نے آنکھیں اُٹھالیں تھیں، یکا یک میں نے محسوس کیا کہ میرے سارے گروپ ممبر مجھے تنہا چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور میں بیت اللہ کے سامنے ایسے کھڑا ہوں جیسے ایک نکما شاگرد ہیڈ ماسٹر کے سامنے پیش ہو گیا ہو اور وہ جو تھوڑا سا کچا پکا سبق یاد تھا وہ بھی بھول گیا ہو۔

یہ بیت اللہ کا حسن تھا، جاہ و جلال تھا، رعب دبدبا تھا یا سحر تھا جو میری نظریں اُٹھتے ہی دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔ جو نظر کعبۃ اللہ کی جانب اُٹھی تو اُٹھی ہی رہ گئی، میں اسے جھپکنا بھول گیا۔ صحنِ مطاف میں سینکڑوں لوگ طواف میں موجود تھے، دُعاؤں اور سجدوں میں اللہ کو پکار رہے تھے لیکن مجھے تو کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ میرے گروپ کے لوگ بھی نہیں۔

وہ اللہ جو شہ رگ کے قریب تھا یکا یک نظروں کے سامنے محسوس ہونے لگا اور میں وہ سارا سبق بھول گیا تھا جو میں نے مہینوں کی محنت کر کے یاد کیا تھا کہ پہلی دُعا

کونسی ہوگی، دوسری دُعا کونسی ہوگی پھر تیسری اور پھر قبولیت کے درجے کو کونسی پہنچے گی۔ یہ سب خلط ملط ہو گیا تھا، نظریں جامد و ساکت ہو گئی تھیں، ٹکٹکی باندھے میری نظریں سیاہ غلاف اوڑھے ہوئے اللہ کے گھر پر گڑی ہوئی تھیں۔

لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں

ہک کھولاں ہک کجاں ہو

مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ یہ ساکت آنکھیں کب بہہ نکلیں اور وہ سجدہ جو جبینِ نیاز میں تڑپ رہا تھا کب ادا ہو گیا۔ آخری دُعا پہلے مانگ لی تھی یا پہلی دُعا کہیں بیچ میں مانگ لی تھی کچھ یاد نہیں، لیکن ایک یقین مزید پختہ ہو گیا تھا کہ جو اللہ کراچی میں دُعائیں سن لیتا تھا وہ گھر آئے مہمان کو کیسے رسوا کرے گا۔ وہ تو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیا کھاتا ہے۔

عمرہ حجرِاسود سے شروع کرنا ہوتا ہے۔ حجرِاسود کی سیدھ میں مسجد حرام کی دیوار پر ہر منزل پر سبز لائٹیں لگائی گئی ہیں تاکہ رش کے باوجود حجاج کرام کو حجرِاسود کی سیدھ کا پتہ چل جائے اور وہ اپنا طواف شروع اور ختم حجرِاسود پر کر سکیں۔

رش کی وجہ سے حجرِاسود کو چھونا بہت ہی مشکل تھا لہٰذا دور سے ہی استلام (اشارہ) کیا اور بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر طواف شروع کر دیا۔ ہمیں تعلیم دی گئی تھی کہ طواف کے دوران خانہ کعبہ کو نہیں دیکھنا ہے اور یہی وہ کام تھا جو مجھ سے نہیں ہو رہا تھا۔ میں نظریں جھکاتا اور طواف کے لیے چلتا مگر میری چاہت، بیت اللہ کی محبت اور اس خانۂ کعبہ کی سحر انگیزی میری ٹھوڑی کو پکڑ کر میرا چہرہ بار بار، بیت اللہ کی طرف موڑ دیتی۔ یہ برسوں کی پیاس لمحوں کے دیدار سے بھلا کیسے بجھ سکتی تھی۔

مسجدِ نبوی ﷺ دُنیا کی خوبصورت عمارتوں میں سرفہرست ہے۔ مسجدِ حرام اس سے بھی زیادہ خوبصورت پُرکشش ہے یہ دونوں مساجد بہترین ماربل، بہترین قالین، بہترین مینار، بہترین گنبد اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیوں سے مزین ہیں۔

ان مساجد کو بہترین آرکیٹکیٹ نے ڈیزائن کیا ہے، جدید ترین ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا ہے ، ایک ایک چیز کے انتخاب میں بلا کی محنت اور مہارت جھلکتی ہے، لیکن......

یہ خانۂ خدا، بیت اللہ شریف جسے سینکڑوں سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے پتھروں سے تعمیر کیا تھا جنھیں آج تک نہ پلستر کیا گیا ہے، نہ رنگ کیا گیا ہے، نہ اس کے اُوپر ماربل لگے ہیں اور نہ ہی کوئی مینا کاری کی گئی ہے۔ فقط ایک کالے رنگ کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔

یہ بیت اللہ ہے، اللہ کا گھر ہے۔ اپنی سادگی، اپنی پتھر کی دیواروں اور کالے غلاف کے ساتھ دنیا بھر کی جدید ترین عمارات اور ان میں استعمال ہونے والی ٹیکنالوجی، مہارت اور خوبصورتی کو مات دیے کھڑا ہے۔اس گھر کا جاہ و جلال، تمکنت، سحرانگیزی اور نہ جانے اس گھر میں کیا بات تھی کہ نظریں اس سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔ اسے دیکھ دیکھ کر اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہ کیسا کمرہ تھا جس کی دیواریں بھی لمبائی چوڑائی میں برابر نہ تھیں۔ اس کے اُوپر دُنیا کے ذہین ترین دماغوں نے کوئی کام نہیں کیا تھا، جدید ٹیکنالوجی چھو کر نہیں گزری تھی، رُکنِ یمانی کی پیوند کاری اور بار بار کی مرمت نظروں کے سامنے تھی۔ اس کی دلکشی مجھ سے مخاطب تھی کہ اب سمجھ آئی کہ تیرا نام وزارتِ حج کی کمپیوٹر لسٹ میں کیسے ڈال دیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج دُنیا کی بہترین ٹیکنالوجی اور آرکیٹکٹ ڈیزائن تمھاری نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ ایسے میں بیت اللہ سے نظر ہٹانا کس کے بس کی بات تھی!!

اس کیف و سرور میں ڈوبے ہوئے میں سات بار حجرِاسود کے سامنے بسم الله،الله اکبر پکار چکا تھا اور ربّ کائنات کے اگلے حکم کی تعمیل کے لیے مقامِ ابراہیم کو مصلّیٰ بنا لیا تھا۔ حرمِ کعبہ میں، بیت اللہ کے صحن میں یہ پہلا سجدہ تھا، سجدہ کیا تھا بس کیف و سرور میں ڈوبا شکرانہ تھا۔ زبان نے ساتھ نہ دیا تو زبان کا حق بھی آنکھوں نے

ادا کر دیا۔

میرے وہ بھی سجدے ادا ہوئے
جو قضا ہوئے تھے نماز میں

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کرنے کے بعد جی بھر کے آب زم زم پیا، کچھ سر پر ڈال لیا اور منہ پر چھینٹے مار لیے۔ میرے گروپ کے اوجھل لوگ پھر سے مل گئے تھے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی کہ عمرہ کے مراحل طے ہو رہے تھے اگلا مرحلہ صفا مروہ کی سعی تھی۔

پہلی مرتبہ صفا مروہ اور اس کے بیچ کی جدید ترین ائیر کنڈیشنڈ گھاٹی دیکھی جہاں بی بی حاجرہ علیہا السلام اپنے ننھے اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں۔ اُس وقت درجہ حرارت کیا ہوگا، پہاڑی اور گھاٹی کے بیچ کتنے کانٹے اور کتنے نوکیلے پتھر ہوں گے؟ سبحان اللہ۔ قربان جاؤں ایسی اطاعت اور بندگی کے جو موسم کی شدت اور حدت سے بے نیاز ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی آزمائش بھی سخت اور کڑی رکھتے ہیں۔

میرے ربّ کو پہلے سے معلوم تھا کہ ہم جیسے گناہگار اور خطا کار شاید نیک اور محبوب بندوں کے معیار پر پورا نہ اُتر سکیں لہٰذا اللہ ربّ العزت نے ہمارے لیے سایہ فراہم کر دیا، پنکھے، ائیر کنڈیشنڈ، قالین اور ماربل بچھا دیے، یا ربِّ رحیم! ہم اس کے کہاں قابل تھے؟ سر کے بال سے لے کر پاؤں کے ناخن تک تشکر کے جذبات سے لبریز ہو کر صفا مروہ کی سعی مکمل کی۔ صفا مروہ پر وہ دُعائیں پڑھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدالانبیا محمد عربی ﷺ نے پڑھی تھیں اور پھر اپنے لیے دُعائیں مانگیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰه (البقرہ)

بیت اللہ سے باہر نکل کر عمرہ کا آخری رکن حلق کروانا تھا یعنی سر کو گنجا کروانا تھا۔

یہ کوئی رات کے بارہ ایک بجے کا وقت ہوگا، لیکن حرمِ کعبہ کے چاروں طرف بازار کھلے ہوئے تھے، رونق لگی ہوئی تھی، روشنیاں جگ مگا رہی تھیں۔ رات میں بھی دن کا گماں ہو رہا تھا۔ پانچ پانچ ریال میں ہر حاجی نے حلق کروالیا۔ حلق کرواتے ہی ایک خوشی اور اطمینان کی لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔ الحمدللہ عمرہ ادا ہو گیا۔

اگرچہ سفر اور عمرہ ادا کرنے کی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی مگر مکہ ٹاور کے نیچے بنی مارکیٹ سے کھانا کھانے کے بعد کچھ توانائی بحال ہوئی تو ہم لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ اب تہجد اور فجر کی نماز بیت اللہ میں ادا کر کے ہی ہوٹل جائیں گے۔ اللہ کے گھر میں یہ پہلے دن کی حاضری اور پہلی شب بیداری تھی۔ شہر کے گردونواح میں رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، لیکن حرم پاک میں اور اس کے اطراف میں کسی تاریکی کا شائبہ تک نہ تھا۔ روشنی ہی روشنی تھی جو اپنے اندر تک اُترتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ دُعائیں، نوافل اور کعبے کا دیدار ایک ایسی حقیقت تھی جو حقیقت کے باوجود خواب لگ رہی تھی، اور آج رات اس خواب کا دورانیہ بہت کم تھا لہٰذا فجر کی اذان مجھے اس خواب کے سحر سے باہر لے آئی۔

صبح ہوٹل پہنچے تو استقبالیہ پر محدود سا سامان رہ گیا تھا جو اِدھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔ لفٹوں کے آس پاس رش بھی نہیں تھا، سارا طوفان گزر گیا تھا اور یہ طوفان کے بعد والا سکوت تھا۔ سامان کمروں میں پہنچا کر کھانے والی منزل R-2 پر پہنچے، ناشتہ کیا اور پھر اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ مکہ میں ہمارے کمروں کے ساتھی تبدیل ہو گئے تھے، اب ہمارے گروپ میں خرم جیلانی، عمران احمد، عبدالحمید، اسد اقبال اور مجھ سمیت پانچ افراد تھے جبکہ ہماری خواتین برابر والے کمرے میں رہائش پذیر تھیں۔ مکہ میں سب لوگوں کو پہلے سے طے شدہ شیڈول کے مطابق کمرے ملے تھے، لہٰذا یہاں مدینہ والی کوفت نہیں ہوئی۔

راز و نیاز

یہ تو ہے ہی راز و نیاز کی جگہ، اپنے ربّ سے سرگوشیاں کرنے کی جگہ۔ یہاں زبان خاموش ہوتی ہے دل باتیں کرتا ہے، اور دل سے نکلی ہوئی باتیں، اُن باتوں کا اثر اور ان کی پرواز کی طاقت کا مشاہدہ اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہتھیلی پر سرسوں جمنے کی کہاوت تو سنی تھی مگر اپنے ہاتھوں پہ جمتے ہوئے بیت اللہ میں دیکھی۔

میری بیوی بھی غالباً قدرے حساس طبیعت کی مالک ہے لہٰذا مدینہ منورہ کی حاضری بیت اللہ کا طواف، آنے والے حج اور اس کے ارکان کی ادائیگی، ان سب عوامل نے ملکر اس کی طبیعت بوجھل کر دی اور نیند کی مٹھاس آنکھوں سے جاتی رہی۔ لہٰذا بیت اللہ میں پہلی ہی رات اس نے غلافِ کعبہ سے لپٹ کر جو دُعائیں مانگی تو آنسوؤں نے انھیں پر لگا دیے، جس کی خبر مجھے دوسرے دن صبح ملی کہ میں تو رات کو بہت پرسکون نیند سوئی ہوں اور اب مجھے سر میں درد بھی نہیں ہے۔ الحمدللہ۔

یہ بھی حج شروع ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ میری بڑی سے چھوٹی بیٹی کا یونیورسٹی میں داخلہ ہونا تھا اور من پسند یونیورسٹی میں کافی مشکل پیش آرہی تھی، نام Waiting list میں اگرچہ شروع میں آ گیا تھا مگر پاکستان سے ہر روز وہ جس اصرار اور یقین کے ساتھ فون کر کے مجھے کہتی کہ ڈیڈی آپ خانۂ کعبہ میں دُعا کریں۔ پھر دوسرے دن آپ خانۂ کعبہ میں دُعا کریں، اور پھر مسلسل اصرار۔ میں بیت اللہ کے طواف میں، حطیم میں اور غلافِ کعبہ پکڑ کر دُعائیں کر رہا تھا، میں نے کہا: ''بیٹی میں نے دُنیا کی بہترین جگہ پر سارے جہانوں کے ربّ کے حضور اپنے دل کی گہرائیوں سے دُعا مانگی ہے تم حوصلہ رکھو ان شاء اللہ قبول ہو جائے گی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو سمجھ لینا کہ اس یونیورسٹی میں داخل ہونا تمھارے حق میں بہتر نہیں، کیونکہ اللہ ہمارے حق میں ہم سے بہتر جانتا ہے'' ۔ دل سے نکلی باتوں کو بال و پر اور طاقتِ پرواز کب اور کیسے ملی یہ تو میرا میزبان، میرا پروردگارِ عالم بہتر جانتا ہے۔ مجھے تو اپنی بیٹی جب ٹیلی

فون پر خوشی سے لوٹ پوٹ ہوتی نظر آئی تو یقین مزید پختہ ہوگیا کہ ہم جس ہستی کے مہمان ہیں وہ تو عام دنوں میں ہم سے غافل نہیں ہوتا آج تو ہم اس کے در پہ آئے بیٹھے ہیں آج ہمیں خالی ہاتھ کیونکر لوٹائے گا، میری بیٹی کا داخلہ اس کی من پسند یونیورسٹی میں ہوگیا تھا۔

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

دُعائیں مانگنے کی جو لذت یہاں محسوس ہوئی وہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ روزانہ پانچ نمازوں میں صرف فرض رکعات کا حساب کریں تو سترہ مرتبہ ہم الحمد شریف (سورۃ فاتحہ) پڑھتے تھے لیکن یہاں پر جو سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی تو اس کے معنی اور مفہوم سمجھ میں آئے۔ دُعا پہلے بھی کرتے تھے مگر یہاں پر جب دُعاؤں کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو یہ تصور خودبخود ہی قائم ہوگیا کہ میرا اللہ، اس کعبے کا ربّ میرے سامنے میری ساری باتیں سن رہا ہے، نہایت اچھے میزبان کی طرح میری میزبانی کر رہا ہے۔ میں یہی دُعائیں روزانہ اور ہر نماز میں بار بار دہرا رہا تھا، بچوں کی سی ضد کی طرح مانگے جا رہا تھا، مانگے جا رہا تھا اور اس کی عطا میں اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔ دنیاوی آقاؤں کی طرح بار بار مانگنے سے ناراض نہیں ہو رہا تھا بلکہ خوش ہو رہا تھا۔

مطاف (طواف کرنے کی جگہ)

مکہ مکرمہ میں ابتدائی تین چار دن تو ہمیں ہوٹل کے آس پاس کے علاقے، گلیاں اور بس کے روٹ کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ حرم شریف کے داخلی اور خارجی راستوں نیز حرم سے باہر جا کر واپس آنے میں کیسے مہارت حاصل کرنی ہے، دروازوں کے نام کیا ہیں اور کون سی سیڑھیاں کس منزل پر جاتی ہیں ان سب کو سمجھنے

میں لگ گئیے۔ اسی اثناء میں یہاں نمازیں پڑھ کر اور طواف کر کے بیت اللہ سے اُنسیت ہوگئی، ایک تعلق ایک ربط پیدا ہو گیا۔ پہلے دن والی، پہلی نظر کی کیفیت اگر چہ برقرار تھی مگر اس میں محبت، شفقت، رحمت اور لاڈ کا عنصر بھی پیدا ہو چکا تھا۔

بیت اللہ سے اس قربت کی وجہ سے اس کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع بھی ملا۔ اسکی دیواروں کے ساتھ فرش پر ایک ترچھی منڈیر چاروں طرف بنی ہوئی ہے جو بارش یا سیلابی پانی سے دیواروں اور اس کی بنیادوں کو محفوظ رکھنے کا کام دیتی ہے۔ اسی منڈیر پر ہر دو تین فُٹ کے فاصلے پر غلافِ کعبہ کو باندھنے کے لیے کڑے لگے ہوئے ہیں۔ غلافِ کعبہ کو نیچے سے گولائی میں رسی کی شکل میں موڑ کر موٹی سلائی سے مضبوط کر کے ان کڑوں سے باندھ دیا گیا ہے، حجرِ اسود کے لیے غلافِ کعبہ میں آنکھ نما جو سوراخ نکالا گیا ہے وہ بھی اسی طرح سلائی سے محفوظ کیا ہوا ہے۔ غلافِ کعبہ کے اُوپر جو آیات لکھی ہوئی ہیں وہ بھی الگ سے غلاف کے اُوپر سلائی سے جوڑ دی گئی ہیں۔ کڑوں کی جو ترتیب نیچے منڈیر پر ہے تقریباً اسی طرز کی ترتیب غلافہ کعبہ کی چھت پر بھی ہے جو غلافِ کعبہ کو اُوپر سے مضبوطی فراہم کرتی ہے۔ حجرِ اسود سے لے کر بیت اللہ کے دروازے تک کی جگہ ملتزم کہلاتی ہے، ملتزم کی دیوار سے لپٹ کا دُعا مانگنا مسنون ہے۔ بیت اللہ کی دیواریں خاص کر حجرِ اسود اور ملتزم روزانہ خوشبو سے خوب تَر کیئے جاتے ہیں۔ بیت اللہ کا دروازہ سونے کا بنا ہوا ہے غالباً اس کا وزن تین سو کلو گرام ہے۔ مطاف ہر وقت طواف کرنے والے، اردگرد بیٹھ کر زیارت کرنے والے، تسبیح کرنے والے اور دُعائیں مانگنے والے زائرین سے بھرا رہتا ہے۔

بیت اللہ، اس کا غلاف، زائرین اور بیت اللہ کے پھیرے لینے والے لوگ ملکر اس ماحول کو سحر انگیز بنا دیتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کی نگاہوں کا مرکز فقط پتھر سے بنا ہوا اور کالے پردے کی اوٹ میں چھپا ہوا اللہ کا گھر ہے۔ نظریں مسلسل بیت اللہ پر ٹکی رہتی ہیں، تھکتی نہیں ہیں اور اس سحر کو تلاش کرتی ہیں جو لوگوں کی زندگی میں انقلاب

بر پا کر دیتا ہے، نظریں اس سحر کو کبھی کعبے کی چھت پر، کبھی کالے پردے کی اوٹ میں اور کبھی دُنیا بھر سے آئے ہوئے مختلف رنگ ونسل اور طرح طرح کے لباس میں ملبوس زائرین میں تلاش کرتی ہیں۔ مگر یہ راز کب کسی نے پایا ہے۔ آپ دیکھتے رہو، دیکھتے رہو، تشنگی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے اور فاصلہ سمٹتا ہی نہیں ہے۔

الارم

حرمِ کعبہ، بیت اللہ اور ہوٹل تک رستوں سے شناسائی ہوگئی تھی۔ حج ابھی تقریباً پچیس تیس دن دور تھا لہٰذا اب نمازوں اور طواف کی پابندی کے لیے شیڈول بن گیا تھا، موبائل فون پر ہر نماز کے لیے الارم لگا دیا تھا تاکہ نماز بروقت ادا کی جا سکے۔ ہر نماز کے بیچ بمشکل تین چار گھنٹے کا وقت ملتا تھا۔ ہم لوگ کبھی مسجد الحرام میں ہی کچھ دیر آرام کر لیتے اور کبھی ہوٹل کی طرف بھاگتے، کھانا کھاتے اور سیدھے کمرے میں جا کر سو جاتے، الارم بج جاتا تو پھر اُٹھ کر بھاگتے بس میں سوار ہو کر حرم پاک پہنچ جاتے۔ طواف، نماز، تسبیحات غرض یہ کہ یوں محسوس ہوتا جیسے بیت اللہ کے طواف نے اپنی حدود کو پھیلا دیا ہے اور وہ ہمارے ہوٹل تک وسیع ہوگئی ہیں۔ بیت اللہ سے بس میں سوار ہونا، ہوٹل میں پہنچ کر کھانا کھانا، سونا، الارم بجنے پر پھر بس میں سوار ہو کر مسجد حرام پہنچنا، نماز، طواف، تسبیحات، پھر بس، پھر ہوٹل، پھر حرم۔ یہ سب کچھ ایک گول سرکل، ایک سائیکل سا بن گیا تھا جس کے مدار سے ہم الگ نہیں ہو سکتے تھے۔

''زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشان ہونا''

سحر زدہ قافلے

جوں جوں دن گزر رہے تھے حجاج کے قافلے جوق در جوق خانۂ کعبہ میں آتے جا رہے تھے، ان قافلوں میں میرے لیے دلچسپی کا بہت بڑا پہلو تھا۔ ملائیشیا، انڈونیشیا، ترکی، ایران اور چند ایک دوسرے ممالک کے قافلے بہت منظّم انداز میں بیت اللہ کے صحن میں داخل ہوتے۔ اُن کی خواتین ایک ہی رنگ کا اسکارف اوڑھے ہوتیں اور مرد حضرات ان کے گرد حلقہ بنا کر چلتے تاکہ کوئی بھی اس بھیڑ میں قافلے سے الگ نہ ہو جائے۔ اس قافلے کی قیادت ایک لیڈر یا معلم کر رہا ہوتا تھا جو دُعائیں بھی بلند آواز اور مخصوص لہجے میں پڑھاتا تھا، یہ آواز آج بھی میرے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ البتہ اس منظّم انٹری سے پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش اور افریقی ممالک محروم تھے۔ یہ قافلے جیسے ہی صحن حرم میں داخل ہوتے تو مجھے اپنا پہلا دن، پہلا قدم، پہلی نظر اور پہلی دُعا کی کیفیت یاد آ جاتی۔ عجیب اتفاق ہے، یہ لوگ منظّم طریقے سے آتے، ہم سے زیادہ پڑھے لکھے اور زیادہ ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھنے اور بظاہر بردبار نظر آنے کے باوجود جب صحنِ حرم میں پہلا قدم رکھتے ہوئے ابھی داخل ہی ہوتے تو کیا عورتیں کیا مرد سب میری طرح بت بن جاتے، پلکیں جھپکنا بھول جاتے، پہلی نظر اور پہلی دُعا دوسری اور تیسری دُعا سے گڈ مڈ ہو جاتی۔ میرے لیے یہ منظر بہت ہی مسحور کن ہوتا۔ مَیں اپنی تسبیح تلاوت چھوڑ کر آنے والے قافلے کو دیکھتا، ان کی آنکھوں سے جاری آنسوؤں کی لڑی کو دیکھتا اور بے اختیار سجدوں میں گرنے کی کیفیت کو دیکھتا۔

ہاں یہ بیت اللہ ہے، اللہ کا گھر ہے۔ اس کا سیاہ غلاف آنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے، ان کی پہلی دُعا دوسری اور تیسری دُعا میں الجھ جاتی ہے۔ زبان گنگ ہو جاتی ہے، گفتگو کا انداز بدل جاتا ہے، باتیں دل سے نکلتی ہیں اور آنکھوں کے آنسو ان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ یہ صرف میرے ہی ساتھ معاملہ تو

نہیں تھا، یہ صرف پاکستانیوں کے ساتھ بھی نہیں تھا، جس طرح اللہ ربّ العزت کی عنایتیں کراچی میں میرے ساتھ ہوتی ہیں، اسی طرح ملائیشیا، انڈونیشیا، ایران، ترکی اور ہر ہر جگہ ہوتی ہیں۔ وہ لوگوں کو منتخب کر کے یہاں لاتا ہے، ان کے نام کمپیوٹر کی لسٹوں میں چڑھواتا ہے۔ تبھی تو ہر قافلے کی یہ کیفیت تھی، اس کیفیت میں یکسانیت تھی۔ اور یہ میرا پسندیدہ ترین کام بن گیا تھا کہ میں اس جادوگری کے کمالات کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھوں۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مقناطیسی میدان

اسکول اور کالج کی لیب میں جب ہم الیکٹریکل تھیوری کے پریکٹیکل کرتے تو کاغذ پر ایک مقناطیس NS پول کا رکھ کر اس کے اردگرد لوہے کے زرات پر مشتمل برادہ ڈال دیتے جس سے وہ زرات فوراً ہی مقناطیس کے چاروں طرف گولائی میں اس طرح ترتیب وار لائنیں بنا لیتے جس طرح بیت اللہ کے گرد زائرین صف در صف ایک گولائی میں چکر لگا رہے ہوتے ہیں۔ مقناطیس اپنی طاقت کے مطابق اپنے اردگرد کے علاقے میں اپنی لہریں بکھیر دیتا ہے جسے ٹیکنیکل اصطلاح میں مقناطیسی میدان کہتے ہیں۔ یہ مقناطیسی میدان ذرات کو نارتھ اور ساؤتھ پول کے اردگرد لائنوں میں ترتیب دیکر جمع کر کے رکھتا ہے اور بکھرنے نہیں دیتا۔

بیت اللہ میں بھی بہت ہی قوی مقناطیسی طاقت ہے جو ہر آنے والے قافلے اور ہر ہر شخص کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ اس کے بعد یہ قافلے اور لوگ حجرِ اسود سے ملتزم، رکن عراقی سے رُکنِ یمانی اور پھر حجرِ اسود کے گرد منظّم اور صف در صف چکر لگانے لگتے ہیں۔ یہ مقناطیسی میدان حاجیوں کو بکھرنے نہیں دیتا، چکر لگاتے لگاتے

بالآخر یہ مقناطیسی طاقت ان کے اندر منتقل ہو جاتی ہے اور پھر ساری زندگی ستاتی ہے کہ کسی طرح اُسی مقناطیسی مدار میں پہنچ کر چکر لگانے شروع کر دیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے منِ وچ مرشد لائی ہو
اندر بوٹی مُشک مچایا تے جان پُھلن تے آئی ہو

اُلٹے پھیرے (Anti Clock Wise)

بیت اللہ کے طواف اور صفا مروہ کی سعی میں ایک چیز قدرے مشترک ہے اور وہ اس کے پھیروں کی تعداد 7 عدد اور ان پھیروں کی سمت Anti Clock wise ہے۔ چونکہ میرا پیشہ وری کا میدان انجینئرنگ سے وابستہ ہے لہٰذا میں نے زندگی میں جتنی بھی گھومنے والی اشیا دیکھی ہیں وہ ہمیشہ Clock wise یعنی گھڑی کی سمت میں گھومتی دیکھی ہیں۔ پہیا، گھڑی، اسکریو، نٹ بولٹ اور یہاں تک کہ کوہلو کا بیل بھی Clock wise ہی چکر لگاتا ہے۔ یہ دنیاوی مشینری اور انجینئرنگ کی بنیادی باتیں ہیں، ہاں البتہ کسی پرزے کو کھولنا مقصود ہو یا کسی مشین یا گاڑی کو اُلٹا چلانا مقصود ہو تو نٹ بولٹ اور اسکریو کو اُلٹا گھما کر ڈھیلا کیا جاتا ہے۔

اللہ کی شان نرالی ہے اس کی حکمت ہماری فہم و فراست سے بالاتر ہے خانۂ کعبہ کا طواف Anti Clock Wise کیا جاتا ہے، اس کے پھیرے اور چکر میں اُلٹا گھوما جاتا ہے اور یہ Anti Clock Wise اُلٹے پھیرے انسانی مشینری اور اس کے پرزوں کو ڈھیلا کرنے کی بجائے مزید کس دیتے ہیں۔ مقناطیسی مرکز سے رابطہ مضبوط کر دیتے ہیں۔

دنیاوی مشینری کا موجد نٹ، بولٹ اور اسکریو کے پھیرے اپنی ایجاد اور سہولت

کے اعتبار سے ڈیزائن کرتا ہے اور انسانی مشینری کو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہی سمجھتی ہے، لہٰذا اس ڈیزائن میں پھیرے اُلٹے ہیں لیکن اس کے نتائج بہت سیدھے اور مثبت ہوتے ہیں Clock Wise Direction سے بھی زیادہ۔

اس ذات کے بھید بھلا کون پا سکا ہے۔

صفا مروہ پر بھی سات ہی چکر لگانے ہیں اور وہ بھی بیت اللہ کے طواف کی طرح Anti Clock Wise ۔ پہلا چکر صفا کی پہاڑی سے شروع کرنا ہے اور مروہ پر پہنچ کر ختم کرنا ہے۔ لہٰذا اس ترتیب سے آخری چکر مروہ پر ہی ختم ہوگا۔

سات (7) کا ہندسہ

تجسس اور جستجو انسانی فطرت ہے اور اس فطری تقاضے نے ربّ عظیم کی حکمت کو یہا ں ذکر کرنے پر مجبور کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ سات کے ہندسے سے، سات بار کے عمل سے اللہ تعالیٰ کو خاص محبت ہے اور یقیناً اس میں کوئی عظیم حکمت بھی پوشیدہ ہوگی جس کا ہمیں شعور نہیں ہے۔

— بیت اللہ کا طواف سات چکروں پر مشتمل ہے۔
— صفا مروہ کی سعی سات چکروں پر مشتمل ہے۔
— اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے ہیں۔
— دُنیا میں براعظموں کی تعداد سات عدد ہے۔
— ہفتے کے دن سات عدد ہیں۔
— قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں۔
— جمرات میں شیطان کو سات سات کنکریاں مارنی ہوتی ہیں۔
— گائے اور اُونٹ کی قربانی میں سات سات حصے ہوتے ہیں۔

— بچوں کو نماز کی ترغیب سات برس کی عمر سے دینی چاہیے۔
— صدقہ کے ایک دانے کی مثال ایسے ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں۔
— حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب میں سات موٹی گائیں، سات پتلی گائیں اور سات ہری بالیاں اور سات سوکھی بالیوں کا ذکر ہے۔
— برتن میں کتا منہ مار جائے تو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔

ہم تو سن کر حکم بجالانے کے پابند ہیں۔ بندگی نام ہی بلا چوں چراں اطاعت کرنے کا اور سرِ تسلیم خم کرنے کا ہے۔

مسجد پر قبضہ

مدینہ سے مکہ پہنچنے کے بعد جب ہوٹل اور اردگرد کے رستوں سے شناسائی حاصل کر رہے تھے تو پتہ چلا کہ ہوٹل کی ایک منزل R-1 مسجد کے لیے وقف ہے اور ایک منزل R-2 کھانے کے لیے مختص ہے۔

اس ہوٹل میں حجاج کی تعداد تقریباً 1400 کے قریب تھی اور اس میں سے لگ بھگ ڈیڑھ دوسو حجاج کوئی نہ کوئی نماز ہوٹل کی مسجد R-1 منزل پر پڑھتے تھے۔ ابتداء میں تو کوئی بھی حاجی آگے بڑھ کر امامت کروا رہا تھا، لیکن دوسرے تیسرے دن ہمارے اندر سے پاکستانی مسلمان بیدار ہوا اور ایک دوسرے کے طریقہ نماز اور اوقات نماز پر غیر محسوس طریقے سے اعتراض ہوا۔ لہٰذا ایک گروہ نے اپنے اندر سے ایک مولانا صاحب کو امام مقرر کر دیا، جو مفتی بھی تھے اور بولنے میں بھی اچھے تھے۔ لہٰذا مسجد میں اوقاتِ نماز چسپاں کر دیے گئے جو حرمِ کعبہ کے اوقات سے تھوڑے مختلف تھے، اس اختلافِ اوقاتِ نماز میں کچھ فقہی محبت اور کچھ ضرورت کا تقاضا پنہاں تھا۔ حج کی تربیت جو کہ کراچی کے حاجی کیمپ اور کتابوں کے ذریعے سے حاصل کی گئی

تھی، اس کا اعادہ اس ہوٹل کی مسجد میں بھی ہوا اور ہمیں پھر سے بتایا گیا کہ اللہ کا حکم حاجیوں کے لیے ہے کہ

فَلَا رَفَثَ: بے حیائی۔ بدکلامی اور بری باتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

وَ لَا فُسُوْقَ: گناہ والے کاموں سے دور رہنا ہے۔

وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ: اورلڑائی جھگڑے سے بھی بچنا ہے۔

ان تینوں احکام کی آواز بہت مدہم سی معلوم ہوتی اور صحیح طرح مسجد کے درودیوار میں گونج پیدا نہ کر پاتی، جبکہ حج کے ارکان کی ادائیگی اور قصرنمازوں میں اختلافی معاملات بڑے بڑے پوسٹر کی شکل اختیار کر لیتے اور اردگرد کی دیواریں ان پوسٹر سے سج جاتیں۔

اگرچہ ہماری پرواز مدینہ میں اُتری تھی۔ موبائل فون کی سمیں ہم نے تبدیل کر کے پاکستانی کنٹرول ٹاور سے رابطہ منقطع کر لیا تھا اور مدینہ منورہ سے حاصل کی گئی سم کے ذریعے مدنی کنٹرول ٹاور سے منسلک ہو گئے تھے۔ اگرچہ ہم بیت اللہ شریف کے مقناطیسی حلقے میں طواف کرنے لگ گئے تھے اور اپنے مرکز سے مضبوطی سے منسلک ہو گئے تھے اور یہ مقناطیسی حلقہ بڑھتے بڑھتے ہوٹل کی حدود تک پہنچ گیا تھا۔اس سب کے باوجود، ہوٹل کی مسجد میں امامت اور نمازوں کے اوقات کار میں اختلاف اپنی جگہ قائم تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگتا جیسے ہمارے ہوٹل کا محل وقوع ایسی جگہ منتقل ہو گیا ہے جہاں سرزمینِ حجاز کی سم صحیح طور پر کام نہیں کر رہی ،سگنل کمزور پڑنے لگے ہیں اور بیت اللہ کے مقناطیسی حصار میں ہوٹل تک کا فاصلہ رکاوٹ بن گیا ہے۔

حج کے ارکان کس فقہ کے طریقے سے ادا ہوں گے، کس فقہ کا امام کیا کہتا ہے، نمازیں کب اور کہاں قصر ہوں گی؟ کچھ قصر کرنے والے گروپ میں تھے کچھ مخالف گروپ میں۔ اجتماعیت کا شیرازہ بکھر سا گیا تھا۔ کنٹرول ٹاور سے رابطہ بار بار منقطع ہو جاتا تھا۔ مجھ جیسا کم علم اور عام فہم حاجی فقہی اختلافات سے زیادہ متاثر ہو رہا

تھا اور ہوٹل کی مسجد میں نماز پڑھنے سے اجتناب کرنے لگا تھا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

ہوٹل کی مسجد میں ایک گروہ نے تو اپنا امیر تک منتخب کرلیا تھا، اور باہم کچھ اس طرح کی ہدایات دی جا رہی تھیں کہ تبلیغ چھپ کر کرنی ہے، حرمِ کعبہ میں کسی ایک حاجی کے پاس خاموشی سے جا کر بیٹھ جانا ہے، گفتگو کا کسی کو علم نہ ہونے پائے، یہاں سعودی عرب میں سختی بہت ہے اور کسی مقامی شخص کو تبلیغ نہیں کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یک دم میرے موبائل نیٹ ورک پر سگنل آنے لگے، اور بیت اللہ کا مقناطیسی حصار ہوٹل کی حدود تک رسائی حاصل کرنے لگا۔ اسی اثناء میں سلطان باہو میرے کان میں سر گوشی کر گئے۔

اندر جے کر صاف نہ ہووے
حج وی سیر سپاٹا ہو

کھانے کی منزل (R-2)

ہوٹل کی مسجد میں فجر اور عشاء کی نماز کے بعد امام صاحب روزانہ مختصر درس دیتے جس کا محور حج کے ارکان، ادائیگی کا طریقہ کار، فقہی معاملات وغیرہ ہوتے اور امام صاحب اکثر یاددہانی بھی کرواتے۔

فَلا رَفَثَ: بے حیائی، بدکلامی اور بری باتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

وَ لَا فُسُوقَ: گناہ والے کاموں سے دور رہنا ہے۔

وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ: اور لڑائی جھگڑے سے بھی بچنا ہے۔

اس درس کے بعد تمام حاجی مسجد کی منزل (R-1) سے سیدھے کھانے کی منزل (R-2) کی طرف یلغار کرتے حالانکہ یہ ہماری ''منزل'' نہ تھی۔ یہاں ایک بات انتہائی قابل تعریف تھی کہ تمام حاجی کھانے کی منزل (R-2) پر بڑے اچھے طریقے سے لائن بنا لیتے اور باری باری اپنی ضرورت اور برتراز ضرورت کھانا، لسی (لبن)، سیب، کیلا یا میٹھا لے لیتے۔ جبکہ یہی حاجی حضرات جو کھانے کے لیے لائن بناتے اور اپنی اپنی ''ضرورت'' کا خاص خیال رکھتے، باقی کسی نعمتِ خداوندی کو خاطر میں نہ لاتے، وہاں لائن بنانا معیوب سمجھتے، چاہے وہ لائن بس میں سوار ہونے کے لیے ہو یا لفٹ میں سوار ہونے کے لیے، انتہائی لطف اندوز وہ لمحات ہوتے جب بغیر لائن کے کھڑے تمام حاجی باہم لائن بنانے کی افادیت اور حج کے اس پاکیزہ سفر میں آنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی تلقین کرتے، لیکن جونہی بس یا لفٹ ان کے سامنے آ کر رُکتی، تو سب سے پہلے نصیحت کرنے والے حاجی ہجوم کو چیرتے ہوئے اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتے۔

ہوٹل انتظامیہ کا کارندہ، خدمت گار جو کہ بنگالی تھا اور لفٹوں پر رش کو قابو کرنے پر مامور تھا یہ سب دیکھ کر جب بے بس ہو جاتا تو پھٹ پڑتا۔

تم لوگ حاجی ہو!!

تم لوگ حج کرنے آئے ہو!!!

لیکن ہوٹل انتظامیہ کا بنگالی خدمت گار شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ جو بس اور لفٹ کی لائنوں میں بد نظمی تھی اور ''حسب ضرورت'' کھانے کی کثافتیں اور زیادتیاں تھیں، ہم حاجی لوگ دن میں کئی کئی بار حرم پاک میں، بیت اللہ شریف میں جا کر دھو آتے تھے اور پھر سے پاک صاف ہو جاتے تھے۔ میرا مالک بہت غفور و رحیم ہے۔

گونگوں کی زبان اور صحنِ مطاف

میں نے زندگی میں مختلف پراجیکٹ مختلف مما لک کے انجینئرز کے ساتھ تعمیر کیے ہیں۔ان میں امریکی،فرنچ، چائینز، جاپانی، پولینڈ اور مصر کے لوگ شامل ہیں۔ایک وقت میں ایک ہی ملک کے باشندوں سے واسطہ پڑتا تھا،لہٰذا کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی اور کبھی ڈکشنری سے ان کی زبان کے کچھ الفاظ یاد کر کے کام چلا لیتا تھا،لیکن سب سے بڑی ترجمان تو اشاروں کی زبان تھی جس میں ہماری ٹیکنیکل گفتگو ہو جاتی تھی۔

حرمِ کعبہ میں بیک وقت درجنوں مما لک کے حاجیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔کبھی راستے میں، کبھی طواف میں، کبھی بازار میں، کبھی صحنِ مطاف میں اور کبھی حطیم میں۔ غرض یہ کہ جگہ جگہ یہ واسطہ، یہ تعلق، آپس میں احساسات اور ضروریات کی ترجمانی کے لیے اشاروں اور مسکراہٹ کی زبان کا سہارا لیتا ہے۔ ان اشاروں کی زبان سے ساری باتیں، ان باتوں کی مٹھاس اور محبت کے احساسات تک سمجھ میں آجاتے تھے۔ یہ سب کچھ بغیر کسی ڈکشنری کے ہوتا تھا۔حرمِ کعبہ میں تمام مما لک کے حاجیوں کی فریکونسی آپس میں مل جاتی تھی، وہ لوہے کے برادے کی مانند نارتھ اور ساؤتھ پول کے گرد مقناطیسی حلقہ بنالیتے اور اپنے مرکز سے منسلک ہو جاتے تھے۔

حج کے دنوں میں بیت اللہ میں طواف کرنا بہت صبر آزما اور کسی قدر مشکل کام بھی ہے۔اگرچہ سعودی حکام اور ان کے اہلکار حسبِ گنجائش حجاج کو مطاف میں داخل ہونے دیتے ہیں، اس کے بعد اندر آنے کے راستے بند کر دیتے ہیں۔اور پھر پہلی، دوسری اور تیسری منزل کے راستے کھول کر حجاج کو اس طرح تقسیم کر دیتے ہیں کہ کوئی حادثہ رونما نہ ہونے پائے۔

اپنے وطن میں اگر صدر بازار یا کسی بھیڑ والی جگہ میں چلے جائیں تو رش ہونے کی وجہ سے کندھے سے کندھا لگ جائے یا پیر کسی دوسرے شخص کے پیر پر آجائے تو گرما گرمی، تو تو، میں میں اور لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ گاڑیوں کا رش ہو تو ہر دوسرا

ڈرائیور سامنے والے ڈرائیور کو دو چار صلواتیں سنا ہی دیتا ہے۔

لیکن یہاں مطاف میں کندھے سے کندھا لگتا ہے، پیروں تلے پیر آجاتے ہیں، وہیل چیئر دوسرے کے پیروں سے ٹکراتی رہتی ہے، مرد اور خواتین ایک ساتھ طواف کرتے ہیں، لیکن یہاں آ کر لوگوں کو کچھ ہو جاتا ہے، گلہ شکوہ بھول جاتے ہیں، معافی اور درگزر کا چلن عام ہو جاتا ہے۔ اور خواتین تو غالباً نظر ہی نہیں آتیں، نظروں کا زاویہ ہی تبدیل ہو جاتا ہے، نامحرم کا تکلف ختم ہو جاتا ہے۔ طواف، نوافل اور فرض نماز کی ادائیگی کے وقت عورتوں اور مردوں میں کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ عورتوں کی نسوانیت اور مردوں کی مردانگی کے اثرات کو بیت اللہ کے مقناطیس کی طاقت ور شعاعیں زائل کر دیتی ہیں۔

صحن مطاف میں لوگ تسبیحات، نوافل، ذکر و اذکار اور زیارت بیت اللہ میں مشغول ہوتے تو یک دم صفوں میں کھجوریں، ڈبل روٹی اور عربی قہوہ تقسیم ہونے لگتا، اور بغیر کسی تخصیص کے سب کو بانٹ دیا جاتا، حاجی بغیر کسی جھجک کے آگے بڑھ کر خود بھی مانگ لیتے۔ ان فرش پر بیٹھے منگتوں میں کون کون نہ تھا: گورا، کالا، یورپی، ایشیائی۔ امیر جسے امارت کا گھمنڈ نہ تھا۔ غریب جسے غربت کی پرواہ ہی نہ تھی، افسر اپنا عہدہ بھولا بیٹھا تھا اور ماتحت سینہ تانے اللہ تعالیٰ کا مہمان ہونے کا شرف حاصل کر رہا تھا، عالم اپنے علم کی دھاک سے بیگانہ اور اَن پڑھ ربّ کعبہ کی حاضری میں سرشار۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

صحن مطاف میں میرے دائیں بائیں ترک، ایرانی، انڈین اور ملائیشین حاجی بیٹھے ہوئے تھے، بظاہر سب خاموش تھے مگر سب کے سب گونگوں کی زبان میں، اشاروں کے ساتھ اپنے ربّ سے راز و نیاز کر رہے تھے۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں، کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کر کے اپنے ربّ کی

رحمت اور مغفرت سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ کچھ حاجی اپنی محبتوں کا اظہار بیت اللہ اور حرم پاک کے کونے کونے کو اپنی یاداشت اور کیمرے میں محفوظ کر کے کر رہے تھے۔ میرے بائیں جانب ترکی کے تین چار حاجی بیٹھے ہوئے تھے جو باہم ایک ہی گروپ کے دوست لگ رہے تھے۔ میرے ساتھ والا ترکی حاجی بھی حرم پاک کے ان انمول لمحات اور تجلیات بھرے مناظر کو اپنے کیمرے میں محفوظ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ اپنے مہنگے ٹچ موبائل پر شاید مہارت نہیں رکھتا تھا جسے میں نے آسانی سے محسوس کر لیا تھا، اور بلاتردّد میں نے اپنی خدمات اشاروں کی زبان میں پیش کرنے کی اجازت مانگی، اشاروں ہی کی مسکراتی زبان نے تشکر آمیز لہجے میں مجھے اپنا موبائل تھما دیا۔ لہٰذا مَیں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ بیت اللہ کی، صحن حرم کی، دورہ عثمانی میں بنی آرچوں کی، حجاج کے طواف کی اور صحن میں بیٹھے منگتوں کی فلم بنا دی۔ مجھے بہت خوشی تھی کہ جن سے کچھ تعلق نہیں ہے ان کے لیے میری طرف سے یہ تحفہ ہے۔ جب یہ وطن واپس جائیں گے تو اس فلم کو دیکھ کر مجھے ضرور یاد کریں گے۔

ہم لوگ پھر اپنی عبادتوں میں مشغول ہو گئے، عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، عصر کی نماز پڑھ کر ترکی کے یہ حاجی صحن مطاف سے جانے لگے تو پھر میرا بھرپور شکریہ ادا کیا، سر پہ بوسہ دیا، صف سے نکل کر پھر ہاتھ ہلایا اور ہجوم میں گم ہو گئے لیکن گونگی زبان میں جو انھوں نے بھرپور گفتگو کی تھی ان کے جملے میرے کانوں میں رس گھول رہے تھے۔ ان چند گھنٹوں کی رفاقت کے بعد ترکی کے حاجیوں کا بچھڑنا مجھے اچھا نہیں لگا۔ کیونکہ ہم سب لوگ بیت اللہ کے مقناطیسی حصار میں باھم جڑے ہوئے تھے اور اس پاکیزہ ماحول کی سحر انگیزی ہمیں اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھی۔

ڈیجیٹل حج

آج سے پچاس، سو یا دوسو سال پہلے اور اس سے بھی پہلے لوگ حج کے دنوں میں بچھڑ کر کس طرح ملتے ہوں گے، بیت اللہ اور مسجدِ نبوی ﷺ کے حسن کو کس کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کرتے ہوں گے، لمحوں کو یادگار کیسے بناتے ہوں گے، میرے خیال میں ان کے پاس عبادت کے لیے بہت زیادہ وقت ہوتا ہوگا کیونکہ ان کی اُنگلیاں موبائل فون کے بٹنوں پر گھومنے پھرنے کی عادی نہیں ہوں گی، ان کے ہاتھوں کی اُنگلیاں تسبیح کے دانوں سے زیادہ مانوس ہوں گی۔

جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تھے یا مکہ کے ہوٹل میں، نہیں بلکہ اس سے قبل جہاز میں، بلکہ نہیں اس سے قبل ائیر پورٹ میں، بلکہ اس سے بھی قبل جب گھر سے روانہ ہوئے تھے۔ ہاں! ہمارا ڈیجیٹل حج تو یہیں سے شروع ہو گیا تھا۔ ہر جگہ پہنچتے ہی پہلا مطالبہ وائی فائی (wifi) کے پاس ورڈ، اس کے سگنل کے بارے میں ہوتا، موبائل فون اور اس کے چارجر اور چارجنگ کی بات ہوتی۔ بہت سارے حجاج پہلی دفع ٹچ موبائل لے کر آئے تھے جنھیں استعمال میں کافی دقت ہوتی، اور حج تو ہے ہی تکلیف کا نام۔ لہٰذا ڈیجیٹل حج میں ڈیجیٹل تکالیف کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جہاں ہماری عبادات، طواف، سعی، احرام، رمی جمرات (شیطان کو کنکریاں مارنا) اور اس میں پنہاں خلوص کا گواہ اللہ تعالیٰ تھا، وہیں ہم تمام حجاج نے حفظ ماتقدم کے طور پر سیلیفیاں، گروپ فوٹو، اور مناظر کو کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کر لیا تھا تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آسکے۔

ہوٹل کی شام بہت یادگار ہوتی تھی۔ سارے حاجی اپنے اپنے موبائل فونز پر الگ الگ کونوں میں گھس کر Messages، Video call، Conference Call، Whats app پر مصروف ہوتے، سارے دن کا احوال جس میں کھانے سے لے کر، بس کے سفر سے لے کر، حرم پاک اور بیت اللہ کی مصروفیت، البیک، KFC اور

مارکیٹ کی اشیاء کی گرانی کی پوری کہانی، جملہ بہ جملہ پاکستان میں فیملی، رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ بیان کرتے۔ یہ سارا عمل اتنی ہی پابندی اور عقیدت کے ساتھ روزانہ دھرایا جاتا جتنی پابندی اور عقیدت کے ساتھ بیت اللہ کا طواف، صفا مروہ کی سعی، دُعائیں، نماز اور نوافل ادا کیے جاتے۔ آج کل حج کا ایک ایک عمل ڈیجیٹائزڈ ہو گیا ہے۔

آزادیٔ اظہارِ رائے

اگرچہ پاکستان میں بھی ایک ہی اللہ اور ایک ہی رسول ﷺ ہے جس کی ہم عبادت اور اطاعت کرتے ہیں، اور ایک ہی رہنما کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید ہے۔ لیکن اس عبادت، اطاعت اور رہنمائی کے اظہار کے لیے سجدہ گاہیں الگ الگ ہیں، طریقہ کار جدا جدا ہیں۔ اللہ کے دین کو محمد ﷺ کی تعلیمات اور قرآن مجید کی ہدایت کو انتہائی خوبصورت Wraper میں گفٹ پیک کی شکل دے کر الگ الگ طریقہ سے پیش کیا جاتا ہے، ہر مسجد کا گفٹ پیک الگ ہے۔ میں ذاتی طور پر اس معاملے میں کافی پراعتماد ہوں اور کسی بھی مسجد میں ربّ کے حضور پیش ہونے میں پس و پیش سے کام نہیں لیتا۔ اس کے باوجود مسجد میں داخل ہونے سے قبل مسجد کا نام، مسجد کی کلر سکیم اور مسجد میں درج ہدایات کی جانب نظریں خوامخواہ اُٹھ جاتی ہیں اور غیر محسوس طریقے سے اندر ہی اندر ایک الرٹ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ سجدہ گاہ کوئی عام سجدہ گاہ نہیں بلکہ خاص ہے اور مخصوص لوگ مخصوص طریقہ کار کے مطابق ہی اپنے ربّ کی عبادت بجا لائیں گے۔ مزید تفصیلات گفٹ پیک میں درج ہیں......

مدینہ منورہ میں اور بالخصوص مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے صحنِ مطاف میں نہ صرف میں بلاخوف و خطر اپنے ربّ، اپنے رسول ﷺ اور اپنے قرآن کی محبت اطاعت اور

ہدایت پر عمل کرنے میں آزاد تھا بلکہ دُنیا جہاں سے آئے ہوئے لوگ تو مجھ سے بھی زیادہ اس آزادی کو انجوائے کر رہے تھے۔ کیونکہ مسجدِ نبویﷺ اور مسجد حرام کا نام، کلر سکیم اور اس کے لیے درج ہدایات میں کوئی تخصیص نہیں تھی، یہ مسجدیں ہر عام آدمی کے لیے اپنی محبت، شفقت، تجلیات، ہدایات اور معرفت کے دروازے کھولے ہوئے تھیں، اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھیں اور منتظر تھیں کہ سائل آئے تو اسے اپنے نیٹ ورک میں، مقناطیسی لہروں میں جکڑ لیں، نور اور تجلیات کے ایسے کرشمے دکھائیں جن کے لیے کالے، گورے، امیر غریب، افسر اور نوکر کی کوئی قید نہیں تھی۔

یہاں آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق سب کے لیے یکساں تھا یہاں کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ ہی مسجد کے نام اور کلر سکیم سے ذہن میں کوئی خاص عبادتی خاکہ تشکیل دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں تمام عبادات، دُعائیں، حرکات و سکنات اور تسبیحات پابندیوں سے آزاد تھیں، بندے اور اس کے ربّ کے بیچ میں کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا تھا۔ گفت وشنید باہم اور دوبدو تھی، راز و نیاز سے سارے پردے اُٹھ رہے تھے، غلام اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے تھے، اپنے کیئے پر شرمندہ تھے، آقا اور خالقِ کائنات معاف کرنے پر رضا مند تھا، گناہگاروں کے اعتراف سے قبل ان کے اشکوں کے نذرانے قبول کر رہا تھا۔ یہاں رحم و کرم اور درگزر کا معاملہ تھا اظہار رائے کی مکمل آزادی تھی۔ اگر مگر اور چونکہ چنانچہ کے الفاظ ناپید تھے۔

اعتراف تھا اور معافی تھی۔ ملزم اور جج کے بیچ میں کوئی وکیل نہیں تھا۔ اور نہ ہی اگلی تاریخ اور پیشی کا ڈر خوف تھا۔ جبھی تو یہاں مطاف کی صفوں میں سب مفتی، قاضی، عالم، طاقتور اور افسر دبک کر بیٹھے ہوئے تھے، غریبوں اور محتاجوں کی گفتگو میں مخل نہیں ہو سکتے تھے۔ عبادات پر فتویٰ نہیں لگا سکتے تھے، کوئی ہاتھ باندھ لے یا کھلے چھوڑ دے، نماز مختصر پڑھے یا طویل پڑھے، نوافل کی تعداد کم ہو یا زیادہ ہو، دُعا بیٹھ کر مانگے یا کھڑا ہو کر مانگے، قرآن اپنے پہلو میں رکھے یا گود میں رکھے، پاؤں کعبے کی طرف

ہوں یا پیٹھ کعبے کی طرف ہو۔ مفتی، قاضی، عالم اور افسر کی کیا مجال کہ سوئے ہوئے کو جگا دے اور بیٹھے ہوئے کو اُٹھا دے، غلام اور آقا کے معاملے میں مخل ہونا کسی کے بس کی بات نہیں تھی، سب اپنی اپنی جگہ دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ مسجدیں، یہ حرم تخصیص سے پاک تھیں۔ یہ عام تھیں، عام لوگوں کے لیے تھیں۔ ان کی کلر سکیم، نام اور درج ہدایات سے کوئی اپنے معنی اخذ کر کے دوسرے پر تھوپ نہیں سکتا تھا۔

یہ بیت اللہ تھا۔

یہ اللہ کا گھر تھا۔

یہ مسجدِ نبوی ﷺ تھی۔

ایامِ حج سے قبل یہ کوئی تہجد کا وقت تھا۔ زائرین صحن مطاف میں سر جھکائے خالق کائنات کے حضور راز و نیاز میں محو تھے کہ اچانک آسمان سے بارش کے قطروں نے ربِّ ذوالجلال کی خوشی کی نوید سنا دی۔ ہمارا مالک، ہمارا خالق اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر آسمان سے گرنے والے قطرے باقاعدہ بارش کی شکل اختیار کر گئے۔ مطاف میں جو خاموشی، جو سحر طاری تھا وہ ٹوٹ گیا، ادھ کھلی آنکھیں اور جھکی ہوئی گردنیں یک دم تن گئیں، باچھیں کھل گئیں اور مطاف کی فضا اللہ اکبر، اللہ اکبر، سبحان اللہ، سبحان اللہ کی آوازوں سے گونج اُٹھی۔ زائرین اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے، ہاتھ بلند کر کے، آسمان کی طرف سر اُٹھا کے التجا بھری نظروں سے دُعائیں مانگنے لگے، پھر ان دُعاؤں میں رقت اور سسکیاں پیدا ہونے لگیں۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بارش سے جو دُنیا کی بہترین جگہ بیت اللہ میں برس رہی تھی خود ہی دھونے لگا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے عیب عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا، یہ پردہ داری اور راز داری کا معاملہ تھا کیونکہ اللہ اور بندے کے بیچ میں کوئی نہیں تھا۔

بھرم

حرمِ کعبہ میں بیت اللہ شریف کے سامنے، صحنِ مطاف میں ایک وقت میں، ایک وضو میں زیادہ سے زیادہ دو نمازیں پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد عمومی طور پر بیت الخلاء جانے کی حاجت ہوتی ہے ۔ چونکہ بیت الخلاء مسجد حرام کے باہر صحن میں بنے ہوئے ہیں لہٰذا واپس آنے تک مسجد حرام میں داخل ہونے کے راستے حج کے رش کی وجہ سے بند ملتے ہیں اور نماز مسجد حرام کے باہر صحن میں، روڈ پر یا فٹ پاتھ پر پڑھنا پڑتی ہے۔ ایسے ہی میں ایک دن جب مسجدِ حرام کے باہر صحن میں عصر کی نماز کے لیے صفیں لگ گئیں اور ہم تکبیر کا انتظار کر رہے تھے، میرے ساتھ ایک قدرے صحت مند اور جواں سال خان صاحب بیٹھے ہوئے تھے، ماشاء اللہ دھوپ کی تمازت سے خان صاحب کا رنگ جو پہلے ہی سرخ و سفید تھا مزید آتشی سا ہو رہا تھا۔ خان صاحب خوش مزاج شخص تھا، اس چند منٹ کی نشست میں ہونے والی گفتگو کے باعث خان صاحب ترکی کے حاجیوں کی طرح اپنی یادیں میرے ذہن میں چھوڑ گئے تھے۔

ہمیں بابِ عبدالعزیز سے بیت اللہ صاف نظر آ رہا تھا، خان صاحب نے پر جوش انداز میں سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ کر بیت اللہ، حج کے انتظامات اور حاجیوں کی تعداد پر کھل کر داد دی۔ مجھے محسوس ہوا کہ خان صاحب کو شاید پتہ چل گیا ہے یہاں آزادیٔ اظہار پر کوئی پابندی نہیں ہے، جبھی تو خان صاحب کے خیال میں اس سال سب سے زیادہ لوگ حج پر آئے ہیں جو اس سے قبل کبھی نہیں آئے تھے، اور ان حجاج کی تعداد بقول خان صاحب کے چالیس پچاس لاکھ تھی۔ خان صاحب حجِ بیت اللہ کی ادائیگی اور اللہ کے اس انعام و اکرام پر کہ اللہ نے انھیں حج پر بلایا ہے اتنے خوش اور اپنے دعوے میں اتنے پر یقین تھے کہ میری مجال نہ تھی کہ میں حجاج کی حاضری جو کہ در حقیقت 2,489,406 تھی کی تصحیح کر سکوں۔ مجھے اس کی خوشی میں دل کی سچائی اس کی گہرائی کے ساتھ معلوم ہو رہی تھی، اور میں خان صاحب کے اس بھرم کو قائم رکھنا چاہتا

تھا، کہ بس اس برس ہی سب سے زیادہ چالیس پچاس لاکھ حاجی آئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں آئے۔ میرے خیال میں خان صاحب کے دل کی یہ بھی چاہت ہو گی کہ شاید آئندہ بھی کبھی اتنے حاجی نہ آئیں۔ میں نے اس کے بھرم کو اپنی مسکراہٹ کے ساتھ راز داری سے ریپر میں لپیٹ کر گفٹ پیک بنا کر محفوظ کر لیا تھا۔

بالکل اسی طرح جب 1993ء میں پہلی بار میں ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کوئٹہ گیا تھا میری دانست میں بھی جہاز، اس کا عملہ اور اس میں بیٹھے مسافر سب ہی لاجواب تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید ہی اس سے پہلے کوئی ایسی پرواز اُڑی ہو۔ ہمارا جہاز بادلوں کے اُوپر پرواز کر رہا تھا، کھڑکی سے بادلوں کے مرغولے انتہائی دلفریب منظر پیش کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میں خان صاحب سے زیادہ پر جوش اور خوش ہو رہا تھا۔ اور انہیں جذبات کی لہر میں بہہ کر میں اس سارے منظرنامے کی تعریف اپنے ساتھ والی نشست پر بیٹھے خوبصورت نوجوان سے کر رہا تھا۔ یہ نوجوان رنگت اور نین نقش میں پٹھان لگ رہا تھا، میں اکیلا ہی بول رہا تھا اور جہاز کی کھڑکی سے نظر آنے والے منظر کی تعریف کرتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے اس نوجوان سے رائے طلب کی جو اب تک صرف مسکراہٹ سے میری باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ بالآخر کافی دیر کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ افغان ہے اور اُردو بالکل ہی نہیں جانتا، جبکہ اس کی انگریزی مجھ سے بھی خراب تھی۔ پھر بھی اس نے میری خوشی اور میرے احساسات کا بھرم رکھا اور اپنی مسکراہٹ سے میری باتوں کی تائید کرتا رہا۔

ٹیکسی والا

مدینہ سے مکہ آجانے کے بعد ہمارے پاس حج سے قبل اچھا خاصا وقت تھا جسے ہم عبادات اور بار بار عمرہ کرنے میں صرف کررہے تھے، ہم عمرے کی غرض سے اپنے ہوٹل سے ہمیشہ مسجد جعرانہ جاتے، وہیں سے احرام باندھتے اور نیت کرتے کہ یہ نبیﷺ کی سنت تھی۔ اگرچہ بہت سارے حاجی مسجد عائشہ سے بھی احرام باندھتے اور نیت کرتے تھے مگر اس جگہ پر اختلاف تھا، لہذا میں نے احتیاط ہی کو بہتر جانا۔

یہ ٹیکسی ڈرائیور تقریباً دو دہایوں سے مکہ میں ٹیکسی چلا رہا تھا جبکہ اس کا آبائی گھر پاکستان جہلم میں تھا۔ اتنی طویل مدت مکہ میں گزارنے کی وجہ سے اس کی حج اور مذہب کے بارے میں معلومات کافی اچھی تھیں، جبکہ پاکستانی سیاست اور اس کی تاریخ سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتا تھا۔

مسجد جعرانہ جاتے ہوئے راستے میں ہمیں اس نے منیٰ، وادی محسر (جہاں ابرہہ کے لشکر پر اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعے سے عذاب نازل کیا تھا)، نہر زبیدہ، اور قریبی پہاڑی پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربان گاہ وغیرہ دکھائیں۔ مسجد جعرانہ کے پسِ منظر، غزوہ حنین کے بعد یہاں پر نبی کریمﷺ کے پڑاؤ اور کڑوے پانی والے کنویں کے متعلق معلومات دیں کہ اس کنویں میں نبی کریمﷺ نے اپنا لعاب ڈالا تو اس کا پانی میٹھا ہوگیا تھا۔ مسجد جعرانہ کے سامنے شہداء غزوۂ حنین کی قبریں ہیں۔

ٹیکسی والا بتارہا تھا کہ ایامِ حج میں ''اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں بندے کو فقیر بنا کر اپنے حضور بلاتا ہے''، بدن پر صرف دو کپڑے جنھیں ہم احرام کہتے ہیں اور پیروں میں صرف چپل پہننے کی اجازت ہے۔ جسم یا احرام پر کوئی خوشبو بھی نہیں لگاسکتے۔ نہانے دھونے کی محدود اجازت ہے اور اس کے لیے وقت ہی کہاں ملتا ہے۔ واہ میرے ربّ! یہ کیسی مہمان نوازی ہے، بدن سے کپڑے اُتروا دیئے، پیروں سے بوٹ نکلوا

دیئے، خوشبو پر پابندی لگا دی اور ہوٹل سے نکال کر خیموں میں کھلے آسمان کے نیچے زمین پر سلا دیا۔

سارا غرور خاک میں ملا دیا۔ یہ کیسی مہمان نوازی ہے! ٹیکسی والے نے بہت اچھی ترجمانی کی اس مہمان نوازی کی کہ،

''اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں بندے کو فقیر بنا دیتا ہے''۔

یہ مہمان نوازی، یہ فقیری حاجیوں کے دلوں میں ایسے رچ بس جاتی ہے کہ وہ ساری عمر یاد کر کے روتے رہتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پھر اس فقیری کے مزے چکھیں۔

زائرین کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر

مدینہ شہر کی آبادی تقریباً سترہ لاکھ اور مکہ شہر کی آبادی تقریباً بیس سے پچیس لاکھ کے قریب ہے۔اور تقریباً پچیس لاکھ ہی زائرین حج کرنے کے لیے مکہ میں آئے ہوئے ہیں، ان پچیس لاکھ لوگوں کے لیے بسیں، ہوٹل، کھانا، پانی، سیوریج اور گلی کوچوں میں ٹریفک کی روانی و بحالی یقیناً قابل ستائش عمل ہے، جسے سعودی عرب کی حکومت اور مقامی انتظامیہ بہ احسن و خوبی سرانجام دے رہی تھی اور اس سارے انتظامی عمل میں سرفہرست قابل تحسین بات وہاں کی پولیس اور حج کے دنوں میں تعینات فوج، اسکاؤٹس، قانون نافذ کرنے والے ماتحت اداروں کے محافظ اور دینی درس گاہوں کے طلباء سمیت کسی شخص کے ہاتھ میں بندوق، پستول تو دور کی بات ایک لکڑی یا ڈنڈا تک کا نہ ہونا تھا۔ حرمِ کعبہ میں لاکھوں کے مجمع کو یہ پولیس والے فقط تالی بجا کر یا پھر ''حاجی'' ''حاجی'' پکار کر کنٹرول کرتے تھے اور باہم بلانے کے لیے لفظ ''محمدؐ'' پکارتے تھے۔ ان کی تالی اور لفظ حاجی میں ایک تاثیر تھی، ایک حکم تھا، ایک

رعب تھا۔اور لاکھوں حاجیوں کا سمندر بغیر اسلحہ اور ڈنڈوں کے کنٹرول کیا جاتا تھا۔ ہمارے لیے یہ انتظامی طریقہ کار بہت ہی حیرانگی کی بات تھی۔ہم نے اپنے قیام کے دوران مدینہ یا مکہ کی سڑکوں پر نہ پولیس کے ناکے لگے دیکھے اور نہ ہی چوراہوں پر پولیس کھڑی دیکھی۔ٹریفک سگنل اور جرائم کیمروں سے کنٹرول ہو رہے تھے۔ نہ پولیس کی موبائلیں، نہ کلاشنکوفوں کی بھرمار، نہ ناکے اور نہ ہی ہٹو بچو کی صدائیں۔بس قانون تھا اور اس کی حکمرانی تھی۔

ایک متاثرکن بات یہ تھی کہ یہاں پولیس کی گاڑیوں میں اور حرم میں ڈیوٹی دینے والی گاڑیوں میں ہارن نہیں تھے، گاڑی کا عملہ حرم میں تو گاڑی کی باڈی پہ ہاتھ مار کر راستہ طلب کرتا تھا اور باہر سڑکوں پر پولیس کی گاڑی میں ایک ہی آواز ''ٹاں'' کر کے نکلتی تھی جس سے ہارن بجنے کی ناگواری محسوس نہیں ہوتی تھی۔

حاجیوں کی صحت کے پیشِ نظر مکہ میں حرم کے باہر نزدیکی دکانوں میں سلاد یعنی ٹماٹر، پیاز، کھیرا، چٹنی اور کیچپ وغیرہ کے استعمال پر پابندی تھی، کیونکہ یہ جلد خراب ہونے والی اشیا تھیں۔میرے استفسار پر دوکاندار نے بتایا کہ حج کے بعد ہم یہ اشیاء استعمال کرسکیں گے۔

اوربسیں بند ہوگئیں

یوں تو یکم ذوالحجہ سے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں، وہ حج جس کے لیے تین سال قبل درخواستیں دینی شروع کر دی تھیں، وہ حج جو آج تک صرف الفاظ میں بیان ہوا تھا اس حج کا دن سر پر آن پہنچا تھا۔

آج سرزمینِ حجاز میں یکم ذوالحجہ تھی۔حجاج کرام اپنے جوش و جذبہ اور ایمان کی حرارت کے ساتھ حج کو خوش آمدید کہنے جا رہے تھے، اور ان خوش نصیبوں میں مجھ جیسا خاکسار بھی شامل تھا۔ بسوں کی بندش کے باوجود حاجی عزیزیہ کے ہوٹلوں سے تین

چار کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے پیدل ہی بیت اللہ چلے جاتے تھے، کچھ تو اتنے جذباتی تھے کہ منیٰ اور مزدلفہ دیکھنے کے لیے حج سے قبل ہی پیدل چلے جاتے تھے۔ یہ سارے مناظر اور دائیں بائیں ہونے والی حج کی تیاریاں اور ان تیاریوں سے متعلق گفتگو دل کے تار چھیڑ دیتی اور سارے بدن میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی۔

ہوٹل میں حاجی آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ جانے کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے ناخن اور بال تراشے جا رہے تھے، چھوٹے سفری بیگ تیار کیۓ جا رہے تھے۔ خواتین کپڑے، خشک میوے اور ضروریات کی اشیاء یاد کروا رہیں تھیں، ہوٹل کی مسجد میں حج کے ارکان اور ادائیگی کے طریقہ کار سے متعلق بار بار سبق کو دہرایا جا رہا تھا۔

فَلَا رَفَثَ، وَ لَا فُسُوْقَ، وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔

بے حیائی، گناہ اور لڑائی سے بچنا ہے اور صبر سے کام لینا ہے۔

حج کا نشہ تو پہلے ہی سر پر سوار ہو چکا تھا لیکن ان دنوں میں اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اگر چہ ہم لوگ عزیزیہ میں، حرم پاک اور بیت اللہ سے دور کچھ فاصلے پر تھے پھر بھی ہم اپنے مرکز سے جڑے ہوئے تھے۔ مقناطیسی قوت مسلسل ہمیں اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی اور کنٹرول ٹاور کے سگنل روز بروز مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔

8 ذوالحجہ۔ منیٰ روانگی

آج 7 ذوالحجہ تھی اور ہوٹل کے استقبالیہ پر بسوں کے آنے کی ترتیب وغیرہ سے متعلق ہدایت نامے رات ہی سے لگا دیۓ گئے تھے۔ استقبالیہ سے بار بار سپیکرز کے ذریعے ہدایات دی جا رہی تھیں تا کہ حاجیوں میں دھکم پیل نہ ہو۔ حجاج کرام کو اپنی اپنی منزل اور کمروں میں رہنے کے لیے پابند کیا جا رہا تھا تا کہ بسوں میں گنجائش اور حاجیوں کی تعداد میں یکسانیت رہے۔ منیٰ پہنچنے کے لیے حاجیوں کا جذبہ دیدنی تھا،

بہت سارے حاجی وقت سے کافی پہلے احرام باندھ چکے تھے اور ہوٹل کے برآمدوں، لفٹ اور استقبالیہ کے اردگرد صاف ستھرے احرام میں نظر آنے لگے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا حاجی ہوٹل کے کمروں سے سفید لباس میں ملبوس ہو کر حج کا ترانہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک پکارتے پھر رہے تھے۔

ایک مرتبہ پھر وہی کیفیت لوٹ آئی جو مدینہ سے مکہ کے لیئے روانگی کے وقت طاری ہوئی تھی، احرام باندھ لیا گیا تھا، نوافل ادا کر لیے، نیت کر لی، تلبیہ پکار لیا اور احرام کی پابندیاں ہوٹل سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ وہ لسٹیں جو آفاق کی بلندیوں پر تیار ہوئی تھیں آج اس ہوٹل کی دیوار پر آویزاں تھیں۔ میں شکر بھرے جذبات کے ساتھ بار بار اس لسٹ میں اپنا نام پڑھ لیتا تھا اور اپنی بس کا نمبر دیکھ لیتا تھا، جس نے مجھے لے کر منیٰ پہنچنا تھا جہاں سے حج کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ اللہ کے سپاہی ہیں، یونیفارم زیب تن کیئے سفر کے لیے مختصر سامان پیٹھ پر لادے جنگی مشقوں کے لیے میدانوں کا سفر کر رہے ہیں۔ اور زبانوں پر جو ترانہ پکار رہے ہیں وہ گویا اپنے اللہ سے عہد و پیمان اور اقرار کر رہے ہیں کہ ''ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، تعریف اور نعمتیں تیری ہیں اور سلطنت بھی تیری، تیرا کوئی شریک نہیں''۔

قاعدے کی رو سے حاجیوں کو آٹھ ذوالحجہ والے دن نمازِ ظہر سے قبل منیٰ میں پہنچنا ہوتا ہے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلی صبح یعنی 9 ذوالحجہ کی فجر کی نماز منیٰ میں پڑھنی ہوتی ہے۔ لیکن انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے اور حاجیوں کی کثیر تعداد کو بروقت منیٰ پہنچانے کے لیے 7 ذوالحجہ کو مغرب کی نماز کے بعد ہی حاجیوں کو منیٰ لے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رات گئے تک بسوں کی آمدورفت جاری تھی۔

منیٰ کی خیمہ بستی کا منظر بہت خوبصورت تھا، سفید پیرا شوٹ جیسا کپڑا جو آگ پکڑنے سے محفوظ تھا پورے علاقے کو اپنی سفیدی میں لپیٹے ہوئے تھا۔ گویا منیٰ نے

بھی حج کے لیے سفید احرام باندھ رکھا تھا۔ خیموں کے اندر ایئر کولر اور فرشی بستر لگے ہوئے تھے۔ بستر کی چوڑائی دو فٹ اور لمبائی چھ فٹ تھی۔ ایک خیمے سے دوسرے خیمے کے بیچ میں گلیاں تقریباً آٹھ فٹ چوڑی تھیں۔ ہمارے مکتب کا نمبر 85 تھا، خیمے کا نمبر 57 اور روڈ ''سوق عرب'' کا نمبر 62 تھا۔ یہ ایک بہت بڑی خیمہ بستی تھی، سفید رنگ کے خیموں نے اس علاقے میں تاحدِ نگاہ ایک حسن قائم کر رکھا تھا۔ اس خیمہ بستی نے 8 ذوالحجہ سے لے کر 13 ذوالحجہ تک قائم رہنا تھا اور تقریباً 25 لاکھ حجاج جو مکہ شہر کی آبادی کے برابر ہیں، نے یہاں ٹھہرنا تھا۔

یہاں ہوٹل والی سہولتیں نہیں تھیں، کھانے کے لیے کوئی منزل مختص نہیں تھی بلکہ مکتب کا عملہ کھانا ہر خیمے تک پہنچا دیتا تھا۔ اور دو فٹ چوڑے، چھ فٹ لمبے گدے پر بیٹھ کر ہی ہر حاجی نے کھانا کھانا تھا۔ حاجی مکتب کے عملے کو خیمے میں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں روک کر ہلکا پھلکا کر دیتے تھے۔ لہٰذا آدھا خیمہ انتظار اور صبر کے بیچ میں ہی اپنی بھوک سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔

قضائے حاجت کے لیے لیٹرین کی تعداد کم تھی، وضو کرنے کے لیے وضو خانہ چھوٹا تھا لہٰذا دونوں جگہوں پر پرامن طریقے سے لائن بنانا پڑتی اور اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا۔ یہ سب کچھ ہمارے مزاج کے خلاف تھا اور طبیعت پر بہت گراں گزرتا تھا۔ منیٰ میں حاجیوں کی تعداد خیموں کی گنجائش سے زیادہ ہو گئی تھی اور ان حاجیوں کو باہر دھوپ میں گلیوں میں لیٹنا پڑا تھا۔ ہم لوگوں نے اور انتظامیہ نے مل کر اپنی استطاعت کے مطابق فوری طور پر گدے اور چادروں وغیرہ کا انتظام کیا، جو کہ پھر بھی ناکافی تھا۔ اللہ تعالیٰ ان حاجیوں کی قربانی اور سختیوں کو قبول فرمائے۔ خیمے میں مخصوص سائز کا بستر ہی جائے نماز تھی۔ خیموں میں ہی صفیں بنتی تھیں اور جماعت کا اہتمام ہوتا تھا، البتہ فقہ اپنی اپنی چلتی تھی، کوئی قصر نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی پوری نماز پڑھ رہا تھا، البتہ یکسانیت ایک ہی ذات میں تھی جو سب کی نمازیں قبول کرتا جا رہا تھا، وہ سب کا بے لائن کا وضو

اور بے لائن کے کھانے پر کوئی اعتراض نہیں کر رہا تھا، اس کی رحمتیں برس رہی تھیں، بھلا کوئی مہمان کی کسی حرکت پر بھی برا مناتا ہے۔ ہم تو ضیوف الرحمٰن تھے، ہم تو اللہ کے مہمان تھے۔

عرفات کے لیے روانگی۔ 9 ذوالحجہ

منیٰ کی طرح عرفات میں بھی 9 ذوالحجہ کو نمازِ ظہر سے قبل پہنچنا ہوتا ہے اور مغرب کے بعد بغیر نماز پڑھے یہاں سے پھر روانہ ہونا ہوتا ہے، لیکن یہاں بھی حاجیوں کی تعداد اور انتظامی اُمور کے پیش نظر منیٰ میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد عرفات کے لیے روانگی شروع ہوگئی تھی۔ منیٰ میں سامان کو مزید مختصر کر کے ایک چھوٹا سفری بیگ کندھے کے پیچھے لٹکا لیا تھا۔ ہمارے مکتب 85 کو ایامِ حج میں سفر کے لیے سعودیہ کی جدید ترین ٹرین کا ٹکٹ دیا گیا تھا، یہ ایک بہت بڑی اور آرام دہ سہولت تھی۔ لہٰذا مکتب 85 کے حاجی منیٰ سے نزدیک ترین ریلوے اسٹیشن نمبر 2 کے لیے پیدل روانہ ہوئے جو دس سے پندرہ منٹ کی مسافت پر تھا، لیکن ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ راستے میں روڈ اور ریلوے اسٹیشن کی سیڑھیوں پر جگہ جگہ رکنا پڑ رہا تھا۔ ریلوے اسٹیشن کا اسٹرکچر، سیڑھیوں کی کشادگی اور ریلوے لائن کی بلندی اور اس بلندی پر ریل گاڑی کی آمدورفت نے حاجیوں کو اس قدر متاثر کیا کہ حاجی ایک نکمے شاگرد کی طرح ٹھہر ٹھہر کر اور طویل وقفوں کے بعد شُرطوں کے یاد دلانے پر تلبیہ پڑھتے تھے یا کوئی حاجی اس سرد مہری کو نوٹ کر لیتا تو بلند آواز سے تلبیہ پڑھتا اور پھر سارے ہجوم کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد آجاتا۔ روڈ اور اسٹیشن کی سیڑھیوں پر حاجیوں کے احرام کی سفیدی غالب آ گئی تھی اور تلبیہ کی پکار نے ایک روحانی سماں پیدا کر رکھا تھا۔ منیٰ سے عرفات کا فاصلہ تقریباً چودہ کلومیٹر تھا جو ٹرین نے تقریباً دس یا بارہ منٹ میں طے کر لیا تھا۔ البتہ منیٰ

کے کیمپ سے ریلوے اسٹیشن تک فاصلہ جو تقریباً ایک کلومیٹر تھا وہ دو گھنٹے میں طے ہوا تھا۔ ریلوے لائن زمین سے اچھی خاصی بلندی پر بنائی ہوئی ہے اور اس بلندی تک ہزاروں حجاج کے قافلوں کا سیڑھیوں کے ذریعے رُک رُک کر چڑھنا ایک تھکا دینے والا عمل تھا۔ عرفات پہنچنے کے بعد ریلوے اسٹیشن سے لے کر عرفات کے خیموں تک جانے کے لیے ایک دفعہ پھر وہی عمل اور انتظار کرنا پڑا جو منیٰ کے کیمپ سے لے کر منیٰ کے ریلوے اسٹیشن تک کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا عرفات کے ریلوے اسٹیشن سے ان گنت سیڑھیاں اُترنے کے بعد ہمیں یہ علم ہوا کہ ہمارے مکتب 85 کے خیمے عرفات کی پہاڑی والے علاقے میں سب سے اُوپر ہیں لہٰذا اب پھر پیدل اپنے خیموں کے لیے پہاڑی کے اُوپر چڑھنا پڑا۔

اِک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
جو میں اِک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

ٹرین کی سہولت کے باوجود منیٰ سے ریلوے اسٹیشن اور عرفات کے ریلوے اسٹیشن سے عرفات کے خیموں تک پہنچنے کے عمل نے ہمیں کافی تھکا دیا تھا، لہٰذا اپنا اور خواتین کا خیمہ تلاش کرنے کے بعد تسبیحات کرتے کرتے سو گئے۔

میدانِ عرفات کے خیموں میں ایئر کولر لگے ہوئے تھے، قالین بچھے ہوئے تھے لیکن منیٰ کی طرح یہ خیمے مستقل بنیادوں پر نہیں بنائے گئے تھے بلکہ عارضی تھے۔ بہر حال انتظامات اچھے تھے۔ عرفات میں بھی وضو خانے اور لیٹرین کی کمی کے باعث دونوں جگہ لائن لگانی پڑ رہی تھی جبکہ رات کے اوقات میں دونوں جگہیں خالی مل جاتی تھیں۔ مکتب کا جو عملہ کھانے کی ترسیل و تقسیم پر مامور تھا، ان کے ساتھ ہمارا سلوک منیٰ سے مختلف نہ تھا۔ جو حاجی نعمت خداوندی پر ٹوٹ پڑتے انہیں چائے اور کھانا قدرے آسانی سے مل جاتا تھا، باقی یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو بھوکا نہیں سونے دیتا اور ہم تو میدانِ عرفات میں تھے اور وہ بھی اُس کی میزبانی میں

تھے۔

ہمارا خیمہ ریلوے اسٹیشن سے قریب پہاڑی پر تھا، رات کے اندھیرے میں عرفات کی دلکشی نظر نہیں آ رہی تھی البتہ فجر کی نماز کے بعد جوں جوں روشنی پھیلنے لگی توں توں عرفات کا حسن اپنی آب و تاب سے چمکنے لگا۔ میدانِ عرفات کا وسیع و عریض علاقہ مری کے برف پوش حسن کی عکاسی کر رہا تھا، چاروں جانب میدانِ عرفات نے سفید خیموں کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ حالت احرام میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کر رہا تھا۔ ہمیں میدانِ عرفات میں حاضری کی سعادت زندگی میں ایک بار نصیب ہوئی ہے لیکن میدانِ عرفات ہم سے زیادہ خوش نصیب ہے کہ اسے یہ موقع ہر سال ملتا ہے، بے شک ایک ہی دن کے لیے ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب کیئے ہوئے لوگوں کے ساتھ احرام کی سفیدی اوڑھے ہوئے شکر اور فخر کا اظہار کرے اور حاجیوں کی آواز میں آواز ملا دے کہ

''اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک تمام تعریفیں اور ساری نعمتیں اور مکمل بادشاہت تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں''۔

میں اپنے خیمے سے جبلِ رحمت اور مسجدِ نمرہ کو بامشکل دیکھ پا رہا تھا کیونکہ جبلِ رحمت اور مسجدِ نمرہ کے قریبی علاقہ میں عرب، یورپ اور دیگر ممالک کے خیمے تھے اور ہمارا وہاں تک پہنچنا کافی مشکل تھا۔

حج سے قبل جب ہم نے میدانِ عرفات کی زیارت کی تھی تو اس وقت جبلِ رحمت پر چڑھ کر دیکھا تھا۔ جبلِ رحمت پر نشاندہی کے طور پر قائم منار کی حالت بھی دیکھی تھی جس پر لوگوں نے مار کر، پین، پنسل سے نام لکھ لکھ کر اسے سیاہ کر دیا تھا۔ مجھے لمحہ بھر کو یہ حجرِاسود لگا، جسے ہم نے چوم چوم کر یا ہمارے گناہوں نے سیاہ کر دیا تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ میں نے نہ تو جبلِ رحمت کے منار پر نام لکھا اور نہ ہی غلافِ کعبہ پر انگلی گھما

کے نام لکھا۔ البتہ ان زیارتوں، حج کے عمل، حاجیوں کے گروہ در گروہ اور قافلوں کے حسن نے اور بیت اللہ کے مقناطیسی حصار نے میرے جسم اور میرے دل و دماغ پر جابجا بہت ساری تحریریں لکھ دی تھیں، مہریں لگا دی تھیں جو میرے لیے اعزاز اور اثاثہ تھیں۔

وقوفِ عرفہ 9 ذوالحجہ

تمام خیموں میں حجاج کرام صبح ہی سے دُعاؤں میں مشغول تھے، نوافل پڑھ رہے تھے، تسبیحات ہو رہی تھیں اور آج کے دن کا سب سے افضل ذکر ہر زبان پر تھا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں، میں خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آج حج کا رکن اعظم ہے، آج یوم عرفہ ہے، ساری دُنیا کے ٹی وی چینل پر آج اسی دن کی ہیڈ لائن چل رہیں ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہے، آج اللہ اس قدر لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے کہ کسی اور دن نہیں کرتا۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ بندے کے گزشتہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ آج کے بعد حاجی اس طرح اپنے گھر لوٹے گا جس طرح ماں کے پیٹ سے ابھی جنا گیا ہو۔ دُنیا میں افضل ترین دن یکم ذوالحجہ سے 10 ذوالحجہ تک کے 10 دن ہیں۔ اور میں یہ افضل ترین دن دُنیا کی افضل ترین جگہ مکہ معظّمہ، خانہ کعبہ، منیٰ، میدانِ عرفات اور میدان مزدلفہ میں گزار رہا تھا، میں دل ہی دل میں شکر کے جذبات کے ساتھ ساتھ فخر بھی محسوس کر رہا تھا اور یہ خوشی، یہ فخر میرے اندر دھمال ڈال رہی تھی۔

آج اللہ تعالیٰ عرش بریں پر اپنے فرشتوں کے بیچ ان حجاج پر فخر محسوس کرتا ہے۔ آج کا دن سال کے تمام دنوں میں محترم و متبرک ہے اور میں اس دن، اس ساعت

اس جگہ پر موجود ہوں۔ میں اپنے دل و دماغ کو قائل کر رہا تھا، میں اپنا ہونا محسوس کر رہا تھا۔مَیں پکار پکار کر اپنی حاضری لگوا رہا تھا کہ

''اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں''

حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ میرا ربّ تو یہ سب کچھ پہلے سے جانتا ہے جب اس نے کراچی میں وزارتِ حج کی لسٹوں میں میرا نام درج کروا دیا تھا، پھراس لمحے سے لے کرسفراور تیاری کے ایک ایک مرحلے میں وہ میرے ساتھ تھا۔میرا کوئی کاغذ، میرا کوئی کام پھر رکا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ میرا پروردگار، میرا مالک، میرا خالق میری انگلی پکڑ کر مجھے عرفات کے میدان میں، اس خیمے میں لے آیا تھا۔ میں پھر بھی علا اعلان پکار کر رہا تھا کہ''میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں''۔

ظہر اور عصر کی نماز ملا کر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ قصر ادا کی۔جس طرح ہم نے کھانا تقسیم کرنے والوں کے ساتھ شروع سے اب تک یکساں سلوک کیا تھا، اسی طرح نمازوں کی ادائیگی میں یہاں بھی ہم نے یکساں سلوک ہی کیا۔خطبۂ حج سعودی ریڈیو پر ترجمہ کے ساتھ سنا اور پھر نمازیں (اپنی اپنی فقہ کے مطابق) قصر بھی پڑھی گئیں اور پوری بھی پڑھی گئیں، ملا کر بھی پڑھی گئیں اور ایک ایک کر کے اپنے اپنے وقت پر بھی پڑھی گئیں۔لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی سے غافل نہیں تھا، سب کچھ قبول کیئے جا رہا تھا۔

نمازِ ظہر سے لوگ جونہی فارغ ہوئے تو اپنے خیموں سے باہر نکل کر کھلے آسمان تلے دستِ دُعا بلند کر دیئے۔ وہ لمحات شروع ہو چکے تھے جو افضل ترین تھے، جو مقبولیت والے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ فخر کر رہے تھے۔لَبَّیْکَ اور دُعاؤں کی صدائیں خیموں سے نکل کر کھلے میدان میں، تپتی دھوپ میں، گرمی کی شدت میں گونجنے لگی تھیں، چاروں جانب حاجیوں کے مجمعے لگے ہوئے تھے جو اپنے ربّ سے ہم کلام تھے۔

یہ سماں تو بالکل ویسا ہی تھا جیسے پہلے دن بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی موجودگی کا احساس ہمارے اُوپر سکتہ طاری کیے ہوئے تھا۔ وقوفِ عرفہ میں بھی یہی کیفیت تھی، اللہ تعالیٰ اپنی تمام تر تجلیات کے ساتھ حاجیوں کے جھنڈ میں موجود تھا، تبھی تو دُعاؤں کی گونج میں ابھی ردھم بھی پیدا نہیں ہوا تھا، حاجیوں کی آہیں، سسکیاں ابھی آسمان کی طرف بلند بھی نہ ہوئی تھیں، آنسو ٹپک کر ابھی زمین کو چھو بھی نہ پائے تھے کہ ربِّ رحیم نے ہماری دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور اس تپتی دھوپ اور شدید گرمی میں آن کی آن میں میدانِ عرفات کو بادلوں نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ بارش کے جن قطروں نے دُعاؤں کی قبولیت کی نوید سنائی تھی دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھل کر برسنے لگے اور لمحوں میں پورے میدان کو جل تھل کر دیا۔

اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے والا معاملہ کہاوتوں میں تو سنا تھا آج میدانِ عرفات میں اس کی عملی تعبیر بھی دیکھ لی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کس طرح جوش مارتی اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا تھا۔ بارش اور تیز ہواؤں نے ہمارے مکتب کے خیموں کا منظر نامہ ہی تبدیل کر دیا تھا۔ چونکہ ہمارے خیمے پہاڑی پر تھے اس لیے ہوا کی شدت بھی زیادہ تھی۔ خیمے اُکھڑ گئے تھے، سامان کھلے آسمان کے نیچے اس بارانِ رحمت میں بھیگ رہا تھا، پھر بھی لوگ دُعاؤں میں مصروف تھے، گیلے بدن کے ساتھ، گیلے احراموں اور عبایوں کے ساتھ۔ گرمی اور دھوپ کی شدت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ تیز بارش اور ٹھنڈی ہواؤں نے لے لی تھی۔

اس موسلا دھار بارش، تیز آندھی اور خیموں کی اکھاڑ پچھاڑ نے حاجیوں کی صفوں کو تتر بتر کر دیا تھا، کسی کو کچھ سجائی نہیں دے رہا تھا، خواتین اپنے محرموں کو اور محرم اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ دُعائیں التجاؤں میں بدل گئیں تھیں۔ اے ربِّ رحیم اس بارش اور ہوا کو ہمارے لیے رحمت بنا دے اور زحمت سے محفوظ رکھ۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کو حاجی اور ان کی دُعائیں اتنی پسند آ گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ

ان کو اپنے پاس ہی بلانے والا تھا۔ مجھے یک دم ٹیکسی ڈرائیور یاد آ گیا۔

''اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں بندے کو فقیر بنا دیتا ہے''۔

ہم اس فقیری کی بہترین مثال بنے ہوئے تھے، خیمے گر چکے تھے، سفری بیگ اور سامان گیلا ہو گیا تھا، چھتریاں اُڑ گئی تھیں، جوتے گم ہو گئے تھے۔ احرام پانی میں بھیگ بھیگ کر اور مٹی سے میلے ہو چکے تھے۔ خواتین اور مرد دبک کر کسی کونے، کسی چھت کی تلاش میں تھے جو میدانِ عرفات میں کہیں نہیں تھی۔

اس ایک دو گھنٹے کی مسلسل بارش اور تیز ہوا نے جب کچھ توقف کیا تو حاجیوں کے اوسان بحال ہوئے اور ایک مرتبہ پھر گیلے کپڑوں اور ننگے پیروں کے ساتھ کچھ خشک جگہ ڈھونڈ کر دُعاؤں میں مشغول ہو گئے، یہ ساعتیں پھر کب نصیب ہونا تھیں۔ وقوفِ عرفہ کا وقت تیزی سے پر لگائے اُڑا جا رہا تھا، سورج بادلوں کی اوٹ سے جھانکنے لگ گیا تھا اور مغرب کی جانب محوِ سفر تھا۔

بچت بازار

میدانِ عرفات میں زائرین کی دُعائیں جب جوبن پر تھیں، ربّ کریم کی رحمت جب گرج چمک کر برس رہی تھی، جب کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور نفسا نفسی تھی ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو تھا، راز و نیاز عروج پر تھے اور ربّ کائنات فرشتوں میں فخر فرما رہا تھا تو یقیناً کسی حاجی نے کسی اللہ والے نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی سنت کی پیروی میں خالق کائنات کی تجلیات کا مظاہرہ دیکھنے کی خواہش کی ہو گی اور ان تجلیات کی ایک معمولی سی جھلک نے خیمہ بستی کی دُنیا کو اُلٹ پلٹ کے رکھ دیا تھا۔

زائرین پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ میدانِ عرفات میں پیر جمائے دُعاؤں

میں محو تھے، لیکن جونہی سورج کی لالی غروب آفتاب کا پیام لائی تو منظر نامہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ میخوں کی طرح گڑے ہوئے حجاج کے قدم خیموں کی طرح اُکھڑنے لگے، سامان کاندھوں پر لدنے لگا، شناسا لوگ اپنے اپنے گروپوں میں جمع ہونے لگے۔

کچھ زائرین میدانِ عرفات سے نکلتے نکلتے پھر رُک جاتے پھر دُعا مانگ لیتے۔ جس طرح بچت بازار میں اختتام کے وقت شام سے ذرا پہلے اسٹال خالی ہو جاتے ہیں، لوگ جاتے جاتے رُک رُک کر قسمت آزمائی کرتے رہتے ہیں تاکہ کوئی اچھا سودا ہاتھ لگ جائے۔ یہاں تو اسٹال بھی بھرا ہوا تھا اور سودا بھی سارا اچھا تھا بس ہمیں ہی جلدی تھی۔ آگے جانا تھا مزدلفہ کی طرف۔

مزدلفہ کے لیے روانگی

عرفات سے مزدلفہ کا فاصلہ تقریباً 9 کلومیٹر ہے جس کے لیے زائرین کی ٹرین بمشکل دس منٹ بھی نہیں لے گی، لیکن اس دس منٹ کی سہولت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے دو گھنٹے کی تھکا دینے والی مشق ہماری منتظر تھی۔

قافلے ٹولیوں کی شکل میں اپنے خیموں کو چھوڑ کر سڑکوں پر آ نکلے تھے۔ رضا کار ہر مکتب کا کتبہ بلند کیے آگے آگے چل رہے تھے۔ حاجیوں کا یہ ریلہ چیونٹی کی چال چل رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کچھ خیمے گرے ہوئے تھے، کچھ کھڑے تھے۔ ان میں اُداسی پھیلی ہوئی تھی۔ اب سے چند گھنٹے قبل جہاں حاجیوں کا گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا دُعاؤں اور صداؤں کی گونج تھی، رحمتوں اور برکتوں کا نزول تھا اب وہاں اُداسی چھائی ہوئی تھی۔

خیمے، فٹ پاتھ اور پہاڑی کی چوٹی کے اردگرد کا ماحول بوجھل دل سے مہمانوں کو رخصت کر رہا تھا۔ اگرچہ یہ رفاقت ایک دن کی تھی مگر یہ ایک دن بہت طویل ہو گیا تھا اور اس کی طوالت وطن واپس آنے کے بعد اور ہمیشہ یادوں میں قائم رہے گی، یہ

منظر نامہ آنکھوں میں سجا رہے گا۔ جب میدانِ عرفات نے ہمیں خوش آمدید کہا تھا، جب میدانِ عرفات میں رحمتیں، برکتیں اور تجلیات اپنے جوبن پر تھیں اور پھر جب وقت جدائی کی اُداسی عرفات کے ہر سو چھا رہی تھی ۔ یہ منظر نامہ آنکھوں میں سجا رہے گا۔

خیموں کی چوٹی سے نیچے اُتر کر پھر بلندی پر واقع ریلوے اسٹیشن کی سیڑھیوں پر چڑھنا تھا۔ یہ اُترنا، چڑھنا، رکنا اور رُک رُک کر پھر چلنا لہو گرم رکھنے کا ایک بہانہ تھا، جسے ہم نے کم وبیش دو گھنٹے میں طے کرنا تھا۔

جہاں ریل گاڑی کی سہولت نے حاجیوں کا حج قدرے آسان کر دیا تھا وہیں پر بلندی پر واقع ریلوے اسٹیشن پر چڑھنے اور اُترنے کی مشقت نے ہمیں کسی حد تک ان حاجیوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا جو پیدل ہی منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ اور پھر مزدلفہ سے منیٰ جا رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ارکانِ حج کی ادائیگی میں تکلیفیں نہ ہوں تو حج کا مزا بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔

مزدلفہ آمد

رات کے ساڑھے دس یا گیارہ بجے کے قریب ہم مزدلفہ ریلوے اسٹیشن پہنچے اور پھر ریلوے اسٹیشن کی بے شمار سیڑھیوں سے اُتر کر مزدلفہ کے میدان میں داخل ہوئے۔ مین روڈ کے بالکل ساتھ برقی سیڑھیاں مزدلفہ میں اُتارتی ہیں، جہاں سے تا حد نگاہ انسانی سروں کی فصل دکھائی دیتی ہے، جن کا بچھونا مٹی کا میدان اور چھت کھلا آسمان تھا۔ ہم لوگوں نے زیادہ آگے جانے اور ہجوم میں پھنسنے سے بہتر یہ جانا کہ برقی سیڑھیاں اُترتے ہی اس کے ساتھ قائم پولیس چوکی کے ساتھ جگہ گھیر لی جائے۔ یہاں سے مین روڈ بالکل ساتھ تھا اور واپس جانے میں بھی آسانی محسوس ہو رہی تھی۔ لہذا ہم

نے اپنی چٹائیاں بچھا دیں چھوٹا سفری بیگ سرہانے رکھ دیا اور بس بستر تیار۔

مزدلفہ میں حجاج کی آمد کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا، اس سے قبل کہ رش اس قدر ہو جائے کہ پیر رکھنے کی جگہ بھی نہ ملے ہم لوگوں نے فوراً وضو خانے کا رخ کیا، وضو کیا اور واپس اپنی جگہ پر آ کر ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی قصر نمازیں ملا کر پڑھی۔ چونکہ ہم پولیس چوکی کی دیوار کے ساتھ ہی لیٹے ہوئے تھے لہٰذا پولیس والوں نے ہمیں کھانے کے باکس اور پانی کی بوتلیں دے دیں۔ ہم لوگوں نے نماز کے بعد کھانا کھا کے لیٹنے کی تیاری کر لی۔

لیٹنے سے قبل ہماری جگہ کے ساتھ فٹ پاتھ بالکل خالی تھا۔ پولیس چوکی کے سامنے روڈ بھی خالی تھا اور اس روڈ کے ساتھ ساتھ ایک نالہ بھی تھا جو بالکل خشک تھا۔ کہنے کو تو ہم لیٹ گئے لیکن ساری رات حاجیوں کی آمدورفت اور ایک دوسرے کے اُوپر سے پھلانگ پھلانگ کر جانے کی وجہ سے بمشکل ہی آنکھ بند ہوئی ہو گی۔ رش اور پانی ختم ہونے کے ڈر کی وجہ سے رات تین بجے میری آنکھ کھل گئی تو فوراً وضو خانے کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ لیکن اپنے اردگرد کے تبدیل شدہ منظر نامے کو دیکھ حیران رہ گیا، جہاں رات کو ہم لیٹے تھے وہ یہ جگہ تو نہیں ہے کیونکہ ہمارے سرہانے جو فٹ پاتھ تھا اور پیروں کی جانب پولیس چوکی کے سامنے جو روڈ تھا وہ حاجیوں کے جم غفیر کے نیچے دب کر چھپ گیا تھا، اور حقیقتاً پیر رکھنے کے لیے جگہ اس طرح ڈھونڈنی پڑ رہی تھی جیسے زمین پر کانٹے بچھے ہوں۔ بات اتنی سی نہیں تھی بلکہ روڈ کے ساتھ جو خشک نالہ تھا اس میں بھی حجاج اکرام لیٹے ہوئے تھے۔ نالے کا گمان تو صرف اس کی اس پُلیہ سے ہو رہا تھا جس کے پار وضو خانہ تھا۔ اب تو بات اس بھی آگے بڑھ گئی تھی لیٹرین کے سامنے فرش پر وہ کنکریاں بچھائی گئیں تھیں جو شیطان کو مارنے کے لیے چننی تھیں اور لوگ ان کنکریوں پر، لیٹرین کے سامنے بھی تھک ہار کر لیٹ گئے تھے۔

مَیں تصور کر رہا تھا کہ اس مٹی میں، اس نالے میں اور لیٹرین کے سامنے لیٹے

ہوئے اور سونے والے کوئی غریب مسکین لوگ ہیں کیا؟ نہیں نہیں، ان میں تو ایسے ایسے دولت مند بھی ہوں گے جو اپنی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتے ہوں گے، ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کے بنگلوں اور کوٹھیوں کے اندر باہر نوکروں کی چہل پہل ہو گی، ان میں سرکاری افسران بھی ہوں گے جو میز پر لگے گھنٹی کے بٹن کو بھی تکلف سے بجاتے ہوں گے اور ان میں یقیناً فقیر منش لوگ بھی ہوں گے۔ لیکن جتنے پیسے لگا کر غریب سے غریب ترین آدمی حج کے لیے آیا ہو گا وہ بھی اس طرح مٹی میں تو نہ سوتا ہو گا اور نہ ہی نالے اور لیٹرین کے سامنے سوتا ہو گا۔ یہ کیسا جذبہ تھا کہ کوئی اُف تک نہ کر رہا تھا، کوئی اعتراض اُٹھانے والا نہ تھا، جسم پر لگنے والی مٹی اور چبھنے والے کنکر قابل برداشت کیسے ہو گئے تھے!!

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اور ٹیکسی والا پھر میرے کان میں سرگوشی کرنے لگ گیا۔ "اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں بندے کو فقیر بنا دیتا ہے"۔

واہ میرے مالک! تیری جزا اور سزا کے پیمانے بھی نرالے ہیں۔ عرفات میں بارش اور کیچڑ میں لت پت کر کے سفر میں تھکا تھکا کے اور مزدلفہ کی مٹی میں لوٹ پوٹ کروا کے تو کہتا ہے میں نے حاجی کو ایسا پاک صاف کر دیا جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ڈھیروں مٹی اور تھکان چڑھا کے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے سارے گناہ اُتار پھینکے ہیں۔ سبحان اللہ۔ تیری پاکی کے معیار ہی الگ ہیں۔ تیرے بھید کون جانے، ہم تو سن کر ایمان لانے والے ہیں۔

ایمرجنسی

سعودی عرب کی حکومت نے حج کے دنوں کے لیے خصوصی طور پر ایمرجنسی سے نمٹنے کے لیے انتظامات کر رکھے تھے اور غالبًا 119 اس کا کوڈ تھا۔ مزدلفہ میں ہماری فرضی رہائش گاہ کے قریب پہلے ایک پھر دوسری وہیل چیئر لائی گئی، جو دونوں ہی خواتین تھیں۔ انھیں ٹھنڈے پسینے آرہے تھے اور بلڈ پریشر گر رہا تھا غالبًا دل کے عارضے میں مبتلا تھیں۔ پولیس کی ہدایت پر مریضہ کے بیٹے نے ایمرجنسی سے رابطہ کیا تو انھیں تین منٹ کا وقت دیا گیا کہ تین منٹ بعد آپ کو متعلقہ شعبہ فون کرے گا، پھر ٹھیک تین منٹ بعد فون آ گیا اور ضروری معلوم لینے کے بعد مزید سات منٹ کا وقت دے دیا گیا کہ سات منٹ بعد ایمبولینس آجائے گی۔ میں اس دورانیے میں مسلسل مریضہ کو اپنی دُعاؤں کی کتاب سے ہوا دیتا رہا۔ پولیس والے نے بار بار مجھ سے کتاب لینا چاہی کہ وہ ہوا دے دے گا لیکن میری دلچسپی اور خواہش کو دیکھتے ہوئے پولیس والا مجھے عربی میں اور مریضہ مجھے اُردو میں دُعائیں دیتی رہی، میں ان دُعاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹتا رہا۔ ٹھیک سات منٹ بعد ایمبولینس آ گئی تھی۔

کنکریاں دھو کر مارنی ہیں

حج بذاتِ خود ایک بہت بڑی سعادت اور عبادت ہے، اس میں حاضری ہی حاضری ضروری ہے جیسے وقوفِ منیٰ، وقوفِ عرفہ اور وقوفِ مزدلفہ۔ جبکہ کنکریاں مارنا، طواف کرنا اور سعی کرنا فعلی ارکان ہیں۔ لہٰذا اس حج کے سارے عمل میں فقہی اختلافات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب سے مجھے پتہ چلا کہ شیطان کو کنکریاں دھو کر مارنی چاہیں تو میں تذبذب کا شکار ہو گیا کہ کنکریاں کسی پاک صاف جگہ پر ہی بچھا دی جاتیں، لیٹرینوں کے سامنے کیوں بچھائی گئیں۔ سعودی حکومت کو شیطان کے

ساتھ ہمارے مراسم کا کچھ تو لحاظ رکھنا چاہیے تھا۔ اور یہاں تو ماجرا یہ تھا کہ شیطان کو کنکریاں دھو کر بھی ماریں تو وہ شکوہ کرنے لگ جاتا ہے

''تم تو اپنے آدمی تھے، تم کو آخر کیا ہوا؟''

2019ء میں 24,89,406 حاجی حج کرنے آئے تھے، فرض کر لیں کہ سارے حاجی اگر 12 ذوالحجہ کو کنکریاں مار کر فارغ ہو گئے ہوں تو فی حاجی 49 کنکریاں بنیں گی اور کل ملا کر یہ تعداد 121980894 (بارہ کروڑ انیس لاکھ اسی ہزار آٹھ سو چرانوے) بنتی ہے اور بارہ کروڑ کنکریوں کو دھونے کے لیے کروڑوں گلاس پانی بھی درکار ہوگا۔ شیطان حج میں بھی باز نہیں آیا۔

مزدلفہ سے جمرات کے لیے روانگی

میں تو رات کے پچھلے پہر لوگوں کو پھلانگتے پھلانگتے کسی نہ کسی طرح وضوخانے تک پہنچ گیا تھا اور وضو کرنے کے بعد شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں بھی چن لیں تھیں، البتہ کنکریوں کو دھونے اور شیطان کو احترام سے مارنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ کیونکہ شیطان سے تو اپنا ازل کا بیر ہے۔

واپس اپنے بستر پر آ کر میں نے خواتین اور گروپ کے دوسرے ساتھیوں کو جگایا جو نہ سوتوں میں تھے اور نہ جاگنے والوں میں تھے، تاکہ فوراً وضو کر لیں پھر فجر کی نماز پڑھ کر روانگی کی تیاری کی جا سکے۔ مزدلفہ میں وضوخانے اور پانی کی کمی تو تھی ہی اُوپر سے لاکھوں حجاج کے مجمع میں یہ کمی مشکل میں تبدیل ہو گئی، جو بعد میں ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ نتیجتاً ہماری خواتین نے وہیں پر بوتل سے پانی لے کر وضو کیا۔

صبح نمازِ فجر سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رخ ہو کر دُعاؤں کے لیے ہاتھ بلند کر دیے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر کے اس سے رحمت، مغفرت، عافیت، صحت، دین و دُنیا کی بھلائی اور جو کچھ دل میں تھا وہ بھی اور جو نہیں تھا وہ بھی مانگ لیا۔

حج کے اِن ایام کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک ساعت جو گزر رہی تھی بہت قیمتی اور نایاب تھی ۔ میں اسے محسوس کر رہا تھا۔ وہ ریل گاڑی کے لیے سیڑھیاں چڑھنے یا اُترنے کی مشقت ہو، دھوپ کی تمازت ہو، بھوک کی شدت ہو یا سفر کی تھکان ہو۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ایک ایک عمل کے بدلے، ایک ایک گزرتے لمحے کے بدلے ربّ ذوالجلال کی خوشنودی حاصل ہو رہی ہے، اس کی رحمتیں برس رہی ہیں، اس کے فضل وکرم سے خطائیں معاف ہو رہی ہیں اور گناہ دھل رہے ہیں۔ یہ احساس میرے اندر پھر سے توانائی بھر دیتا اور مجھے چاک و چوبند کر دیتا۔

جوں جوں حج کے ارکان ادا ہو رہے تھے اور مراحل طے ہو رہے تھے حجاج کی فقیری اپنے جوبن کو چھو رہی تھی، احرام پسینے اور مٹی سے گندھے جا رہے تھے۔ خواتین حجاج مسلسل 8 ذوالحج بلکہ 7 ذوالحج کی شام سے عبایا اور اسکارف میں دن رات گزار رہی تھیں۔ ٹیکسی والے کا مشاہدہ بہت ہی درست تھا کہ اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں بندے کو فقیر بنا دیتا ہے۔ اور اس فقیری میں جو بادشاہی کی لذت تھی وہ ان مراحل سے گزرنے والا حاجی ہی محسوس کر سکتا ہے۔

مزدلفہ میں ریلوے اسٹیشن کے صبر آزما نشیب و فراز طے کر کے ہم صبح سات یا آٹھ بجے منیٰ کے ریلوے اسٹیشن نمبر 2 پر اُتر گئے۔ چونکہ مزدلفہ میں وضوخانے کی سہولت میسر نہ آ سکی تھی لہٰذا منیٰ میں پہلے اپنے کیمپ میں جا کر تازہ دم ہونے کے بعد جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنے کا ارادہ کیا۔

مزدلفہ سے منیٰ آمد۔(4 کلومیٹر)

منیٰ سے جب ہم لوگ عرفات روانہ ہوئے تھے تو سڑک اور ریلوے اسٹیشن کے اطراف اوراس کی سیڑھیوں پررش دیکھ کرگمان کیا تھا کہ رش اپنے جوبن پر ہے۔اب جو ہم منیٰ اسٹیشن سے باہر نکلے تو ہمارا گمان ایک وہم سا بن گیا تھا کہ اس وقت جتنے راستے تھے سب کے سب حاجیوں سے لدے ہوئے اور جمرات کی طرف اس طرح بہہ رہے تھے جیسے سیلاب کا ریلہ گلیوں، سڑکوں کو نہروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔منیٰ اسٹیشن سے ہمارا خیمہ بمشکل دس پندرہ منٹ کی مسافت پر تھا لیکن جمرات کی طرف جانے والے حجاج کے ریلوں کی وجہ سے جگہ جگہ راستے بند کیے ہوئے تھے اور کسی کو ان ریلوں کے بہاؤ کی مخالف سمت چلنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہ تھی۔لہٰذا اس سخت سکیورٹی کی وجہ سے ہمیں دس پندرہ منٹ کا فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے کرنا پڑا جو تقریباً دو یا تین کلومیٹر اضافی سفر تھا۔

منیٰ سے جمرات روانگی

منیٰ میں اپنے خیمے میں پہنچ کر کسی حد تک اطمینان محسوس ہوا۔ منہ ہاتھ دھو کر، وضو کر کے خیمے میں ہی ناشتہ کیا۔گرم گرم چائے نے ہمیں دوبارہ چارج کر دیا تھا۔ہم وقت ضائع کیے بغیر فوراً ہی جمرات کی طرف روانہ ہو گئے۔اس دفعہ ہم لوگوں نے ریلوے کی سہولت لینے کی بجائے جمرات تک ''سوق العرب'' (روڈ کا نام) کے ذریعے پیدل جانے کا ارادہ کیا۔ جمرات، جہاں شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں سوق العرب مکتب ۸۵ سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ باہر سڑکوں پر گرمی اور دھوپ کی تمازت پوری آب وتاب کے ساتھ احساس دلا رہی تھی ۔جبکہ سڑک کے کنارے پھوار پھینکنے والے کھمبے پانی کی پھوار پھینک رہے تھے، جگہ جگہ رضا کار ہاتھ میں بوتلیں

لیے حاجیوں کے اُوپر پانی کی پھوار پھینک رہے تھے اور حاجی ازخود بھی ہاتھوں میں بوتلیں تھامے اپنے اُوپر اور دوسروں کے اُوپر بھی پانی کی پھوار پھینک رہے تھے۔ تلبیہ سے سڑکوں پر ایک روحانی سماں پیدا ہو رہا تھا۔ مختلف ممالک کے، رنگ رنگ کے لوگ، ایک ہی سمت میں، ایک ہی کلمہ بلند کیے جا رہے تھے۔

''میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں تمام تعریفیں اور ساری نعمتیں اور مکمل بادشاہت تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔''

شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر منیٰ کی سڑکوں سے ہوتا ہوا جمرات کی طرف رواں دواں تھا۔ اس سمندر میں بہتے ہوئے مجھے خیال آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کے سارے ملکوں سے مخصوص لوگوں کو ان گلیوں میں ان میدانوں پھرا پھرا کر، باآوازِ بلند ایک ہی کلمے کا ورد کرواتا ہے۔ جس کلمے میں اس کی بڑائی، اس کی سلطنت، اس کی بادشاہت، اس کی کبریائی اور اس کی واحدانیت کا اعلان ہوتا ہے۔ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ وہ بلاشرکتِ غیرے قادرِ مطلق ہے۔ اللہ تعالی نے یہ اعلان، یہ تلبیہ، یہ پکار اور اپنے گھر بیت اللہ کی زیارت ان لوگوں پر فرض کر دی ہے جو خانۂ کعبہ میں آنے جانے، ٹھہرنے اور کھانے کے اخراجات برداشت کر سکتے ہوں۔ اُن لوگوں کے لیے حکم ہے کہ یہاں آئیں ان گلیوں میں ان میدانوں میں فقیری بھیس اپنائیں، مٹی میں لوٹ پوٹ ہوں، بھوک پیاس اور موسم کی شدت کو برداشت کریں، سفر کی تھکان کو سہہ کر، اپنی شناخت کو مٹا کر صرف ایک اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے اعلان کرتے پھریں کہ

''اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریفیں اور ساری نعمتیں اور مکمل بادشاہت تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔''

جمرات آمد (10 ذوالحجہ)

سوق العرب سے جمرات میں داخل ہوں تو جمرات کے گراؤنڈ فلور پر پہنچ جاتے ہیں، جبکہ ریلوے اسٹیشن سے آنے والے راستے دوسری اور تیسری منزل پر پہنچتے ہیں۔ جمرات میں داخل ہوتے ہی اس کے بلند و بالا اسٹرکچر اوراس میں نصب پانی کی پھوار پھینکنے والے پنکھوں کی وجہ سے ایک دم موسم میں تبدیلی اور سکون کا احساس ہوا۔ جس سمت سے ہم داخل ہوئے تھے وہاں سے سب سے پہلے چھوٹا شیطان، پھر درمیانہ شیطان اور پھر بڑا شیطان آتا ہے، یہ تینوں جگہ جمرات کہلاتی ہیں۔ یہاں پر شیطان نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی تھی اور جبرئیل امین علیہ السلام کے کہنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اپنے دوست اور محبوب بندے کی اس سنت کو تا قیامت، تمام حج ادا کرنے والے حاجیوں پر لازمی قرار دے دیا۔

''**بسم الله. الله اکبر**'' کہہ کر سات کنکریاں بڑے شیطان کو ماریں۔ ۱۰ ذوالحجہ کو صرف بڑے شیطان کو ہی کنکریاں مارنی ہوتی ہیں۔ شیطان تو بس ایک تخلیل ہے، ایک علامت ہے ورنہ وہاں پر تو سریے اور سیمنٹ سے بنے ہوئے ستون کھڑے ہیں، جنھیں بظاہر ہم کنکریاں مارتے ہیں۔ دراصل یہ کنکریاں، یہ پتھر تو اپنی انا کو مارنی ہوتی ہیں، اپنی نفسانی خواہشات کو مارنی ہوتی ہیں، پرفریب خیالات کو مارنی ہوتی ہیں تا کہ ان کنکریوں کی ضرب سے دل کے صنم کدے میں سجائے گئے بتوں کو پاش پاش کیا جا سکے۔

کنکریاں مارنے کے بعد اگلا کام قربانی کا ہے جس کا ہم نے پرائیویٹ بندوبست کر رکھا تھا۔ لہٰذا متعلقہ شخص کو کنکریاں مارنے کی اطلاع دے دی تا کہ وہ قربانی کر کے ہمیں بھی مطلع کر دے اور ہم حلق کرواسکیں یعنی سر کے بال اُتر واسکیں۔

''حلق'' کے بعد اب اگلا مرحلہ طوافِ زیارہ یا طوافِ افاضہ کا تھا۔

جمرات سے مخصوص روڈ جو کہ سیدھا بیت اللہ کو جاتا ہے، اس روڈ کے ذریعے پیدل اپنا سفر شروع کر دیا، یہ سفر تقریبا چھ کلو میٹر ہے۔ اس روڈ کو مکمل طور اسٹیل اسٹرکچر سے ڈھانپ دیا گیا ہے تا کہ حاجیوں کو موسم کی شدت سے بچایا جا سکے۔ اس روڈ کے تسلسل میں آگے چل کر سرنگ آجاتی ہے۔ اس سرنگ کو پار کریں تو سامنے حرمِ کعبہ کا دروازہ بابِ ابراہیم علیہ السلام آجاتا ہے۔ 10 ذوالحجہ حج کے تمام دنوں میں مشکل ترین اور تھکا دینے والا دن ہوتا ہے، اس میں کرنے کے کام زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ روڈ بھی حاجیوں سے بھرا ہوا تھا، تمام حاجی مسلسل چلنے اور تھکاوٹ کی وجہ سے جگہ جگہ بیٹھ کر، ستا کر چلتے رہے جبکہ پولیس والے راستوں میں حاجیوں کو جمع ہونے یا بیٹھنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

راستوں میں جگہ جگہ پینے کے پانی کا انتظام تھا۔ جبکہ مقامی عربی بھی حاجیوں کی خدمت میں پیش پیش تھے۔ حج کے تمام دنوں مقامی لوگ کھجوریں، پانی، جوس، پلاؤ اور دیگر کھانے گلیوں میں جگہ جگہ تقسیم کرتے نظر آرہے تھے، ان کا یہ عمل حجاج سے محبت اور عقیدت کا مظہر تھا اور یہ عرب روایات کے مطابق مہمانداری کی ترجمانی کر رہا تھا۔

سرنگ کے باہر جب ہم بابِ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پہنچے تو ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اور برادر عبداللہ جنھوں نے میری قربانی کا بندوبست کیا تھا ان کا فون بھی آ گیا تھا کہ میری قربانی ہوگئی ہے لہٰذا اپنے بال کٹوا لیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی پہ بہت بڑا احسان ہے اور فضل ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی بیٹے کی بجائے مینڈھے کی شکل میں تبدیل کر کے قبول کر لی ورنہ مجھ جیسے خطا کار اتنی جرأت کہاں سے لاتے اور ایسے بیٹے کس طرح تیار کرتے جو اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے راضی ہوتے!

نمازِ ظہر ہم لوگوں نے حرمِ کعبہ کے باہر صحن میں بابِ ابراھیم علیہ السلام کے

سامنے ادا کی اور پھر حلق کروالیا۔

یہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

طوافِ زیارہ

آج، 10 ذولحجہ کو طلوع فجر سے لے کر ابھی تک ہم لوگ مسلسل سفر میں تھے جس کا زیادہ حصہ پیدل ہی طے کیا تھا، چل چل کر ٹانگیں شل ہوگئی تھیں، پیروں میں درد ہو گیا تھا، پسینہ میل کچیل اور موسم کی شدت اس کے علاوہ تھی۔ اس کے باوجود حاجیوں کی چال میں ایک ردھم تھا، ایک تسلسل تھا، زبان پر حمد و ثنا تھی۔ حاجیوں کے قدم خانہ کعبہ کی جانب اُٹھتے چلے جا رہے تھے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے بیت اللہ کی کشش نے اپنی مقناطیسی قوت کا دائرہ وسیع کر دیا ہے اور وہ ہمیں اپنی جانب خود بخود کھینچے چلی جا رہی ہے۔ جب سے ہم لوگ مکہ میں آئے مسلسل بیت اللہ میں حاضری دیتے رہے، نمازیں پڑھتے رہے اور طواف کرتے رہے سوائے گزشتہ چھ یا سات دنوں کے جن میں ارکانِ حج کی ادائیگی اور بسوں کی بندش شامل تھی۔ آج جو اتنے دنوں کے بعد بیت اللہ کے سامنے حاضر ہوئے اور وہ بھی اس حالت میں کہ جسم اور احرام میلا ہے، آنکھوں میں جگراتوں کی سرخی ہے اور جسم تھکن سے چور ہے۔ لیکن دل میں ایک عجیب سی خوشی، شکر اور تابعداری کا احساس ہے، کہ اے اللہ! تیرا حکم بجالاتے ہوئے سارے مراحل عبور کر کے آگئے ہیں، اب تو اپنے انعام و اکرام سے ہمیں نواز دے، ہمیں بخش دے۔

کچھ دیر آرام کی غرض سے ہم مسجد حرام میں ہی لیٹ گئے تاکہ دوبارہ تازہ دم ہو کر طوافِ زیارہ/طوافِ افاضہ کر سکیں، پھر صفا مروہ کی سعی بھی کرنی ہے اور حرم پاک

سے واپس منیٰ بھی جانا ہے۔ اب تک کے سارے سفر نے جہاں بہت سے دوسرے حاجیوں کی حالت غیر کر دی تھی وہاں اس میں میری بیوی بھی شامل تھی ۔ اس وقت بظاہر اس میں سکت ہی نہ تھی کہ وہ طواف اور سعی آج ہی کر سکے۔ لہٰذا میں نے اپنے گروپ کے دیگر ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ لوگ طوافِ زیارہ اور سعی کر لیں ہم لوگ کل کر لیں گے۔ مسجد الحرام میں کچھ دیر آرام کی غرض سے کیا لیٹے کہ نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اور ربِّ رحیم مہربان ہو گیا۔ بیت اللہ کی مقناطیسی قوت نے گویا جسم سے ساری تھکان ہی کھینچ لی۔ نمازِ عصر کا وقت ہوا تو اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا نے نیند سے بیدار کر دیا۔ نمازِ عصر ادا کی تو میری بیوی نے کہا، میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب طوافِ زیارہ اور سعی کر لوں گی۔ یہ میرے لیے حیران کن خوشی کی بات تھی اور یہ میری دلی خواہش بھی تھی کہ طوافِ زیارہ ہم پہلے دن یعنی 10 ذوالحجہ کو ہی کریں۔

حج سے پہلے ہم نے عمرہ کیا تھا۔ پھر نفلی عمرے بھی کیے تھے اور روزانہ ہی ہم بیت اللہ کا طواف کرتے تھے لیکن آج کا طواف اور اس کا لطف ہی نرالہ تھا۔ بیت اللہ سے، حرمِ کعبہ سے اور اللہ کی ذات سے عقیدت، احترام اور بندگی کا رشتہ ایسی مضبوط سطح پر محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی کمپنی کا پرانا اور قابل اعتماد ملازم بلا تکلف اپنے باس کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور رازداری سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح میں خود کو اللہ کا ایک ایسا ہی سپاہی سمجھ رہا تھا جو میدان عمل میں تمام مشقیں لگن، محنت اور کامیابی سے کر کے ہیڈ کوارٹر میں اپنے چیف کے سامنے پُر اعتماد کھڑا ہو کہ اب تو ترقی، انعام واکرام پکا ہے۔

آج کے طواف میں دُعاؤں کی لذت اور چاشنی پہلے سے بہت مختلف تھی۔ اندر خانے کہیں نہ کہیں یہ احساس اعتماد بخش رہا تھا، کہ اے اللہ! میں تیری ہی توفیق سے حج کے مراحل طے کر آیا ہوں تو انھیں قبول کر لے، میں آج سے تیری ہی توفیق سے حاجی بن گیا ہوں لہٰذا تو ہی میرے حج کی لاج رکھنا۔ دُعاؤں میں، التجاؤں میں، اور شکر میں

ڈوبے ہوئے سات چکر ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ربِّ رحیم نے حاجیوں کے آنسوؤں کو ان کے میلے جسموں کو اور ان کی تھکاوٹ کو پاکیزہ اور ٹھنڈی بارش سے دھونا شروع کر دیا۔ یہ سعادت ہمارے نصیب میں بھی آئی کہ طواف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُوپر آسمانوں سے ہمیں دیکھ رہا ہے اور رحمت کے پانی کے ڈول بھر بھر کے ہمارے اُوپر انڈیل رہا ہے۔ طواف کے چکر پورے ہوئے تو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دو رکعت نفل نماز ادا کرنی تھی، طوافِ زیارہ کے نفل۔ یہ نوافل تو روز ہی ادا کرتے تھے لیکن آج کچھ خاص تھا جو بیان نہیں ہو سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

"**الحمدلِلّٰہ ربّ العالمین**" ساری تعریف، حمد و ثنا تیرے لیے، اے سارے جہانوں کے ربّ! آج سے قبل مجھ سے نہ یہ حمد بیان ہوئی تھی اور نہ سمجھ میں آئی تھی۔ بھیگی پلکوں سے دو نفل ادا کیئے، رکوع اور سجود معانی ومفہوم سے لبریز تھے۔ گویا یہ سجدے سارے حج کا نچوڑ تھے۔

سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

صفا ومروہ کی سعی

نوافل کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو جی بھر کے آب زم زم پیا، سر پر ڈالا، چہرے پر ڈالا اور پھر صفا کی طرف سورۃ بقرہ کی ذیل آیت پڑھتے ہوئے چل دیے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہ.

پھر صفا پہاڑی پر قبلہ رخ کھڑے ہو کر تین مرتبہ تکبیر۔ اللہ اکبر پڑھی اور ذیل کی دُعا پڑھی:

لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہ.

اس کے بعد جو دُعائیں بھی مانگنا چاہیں وہ مانگیں۔ پھر یہاں سے مروہ پہاڑی کی طرف چل دیئے، راستے میں جس جگہ سبز لائیٹیں چھت میں لگی ہیں یہاں صرف مردوں نے بھاگنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مروہ پہاڑی پر بھی وہی سارا عمل کرنا ہے جو صفا پہاڑی پر کیا تھا۔ اس طرح صفا سے مروہ ایک چکر اور مروہ سے صفا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ ساتواں اور آخری چکر مروہ پر ختم ہو گا۔ اس کے بعد حاجی پر سے وہ تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں جو حالت احرام میں عائد ہوگئی تھیں۔ الحمدللّٰہ حج ہو گیا۔

صفا مروہ کے درمیان انتہائی پرسکون اور خوشگوار ماحول ہے۔ فرش پر سفید ماربل لگا ہوا ہے جو ائیر کنڈیشنڈ کی وجہ سے مزید ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور چلنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے صفا مروہ کی سعی حضرت حاجرہ علیہا السلام کی یاد میں ان کی سنت تا قیامت جاری کر دی۔ حضرت حاجرہ علیہا السلام نے جس عقیدت، فرمانبرداری اور بندگی کی بہترین شکل میں پتھروں کے اُوپر بھوک، پیاس اور موسم کی شدت میں یہ سعی کی تھی یقیناً وہ اس انعام کی حقدار بھی تھیں کہ اللہ ربّ العزت

تاقیامت نوع انسانی کے لیے اسے سنت بنا دے۔
میں تو ایئر کنڈیشنڈ، ماربل لگی روشن اور جدید فنِ تعمیر کی پرسہولت بلڈنگ میں اس سنت کی پیروی کر رہا تھا۔ اگرچہ یہ سعی حضرت حاجرہ علیہا السلام کی سعی کے عشرعشیر بھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی کریم، بہت ہی غفور اور رحیم ہے خود ہی چن چن کے یہاں لے آتا ہے اور پھر ہمارے تھوڑے سے عمل سے راضی بھی ہو جاتا ہے۔ الحمدلِلّٰہ ربّ العالمین۔

مسجد الحرام سے واپس منیٰ روانگی (6Km)

اب طبیعت میں بہت سکون تھا۔ فجر سے لے کر اب تک کے طویل اور تھکا دینے والے ارکانِ حج کے باوجود اب ہم لوگ خود کو تازہ دم محسوس کر رہے تھے، کیونکہ حج ادا ہو گیا تھا۔ ہم لوگ حاجی ہو گئے تھے اور یہ احساس ہی طمانیت بخش اور جذبۂ شکر سے لبریز تھا۔
مسجد الحرام سے باہر کچھ دور آنے کے بعد ٹیکسی کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ ٹیکسی کے کرائے سوگنا نہیں بلکہ پانچ سوگنا مانگے جا رہے تھے اور مجھے خوشی تھی کہ اپنے مذہبی تہواروں پر یہ نیکیاں ہم ہی پاکستان میں نہیں کماتے بلکہ سعودی عرب میں بھی ہمارے بھائیوں نے اس روایت کو برقرار رکھا ہے۔ یہاں پر بہت سے لوگ آپس میں مل کر ٹیکسی لے رہے تھے لہٰذا میں نے بھی ایک جہلم کی فیملی کے ساتھ شراکت داری کر لی اور ہم لوگ منہ مانگا کرایہ ادا کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ ٹیکسیوں کے زیادہ تر ڈرائیور پاکستانی، بنگلہ دیشی اور انڈین تھے، ہمارا ڈرائیور بنگلہ دیشی تھا۔ اس نے ہمیں دو چکر حرم کے قرب و جوار کی گلیوں میں لگوا دیے اور اُترنے کے لیے کہا کہ یہاں سے پیدل چلے جائیں۔ ہم لوگوں نے اسے کہا کہ ہمیں حسبِ وعدہ منیٰ لے کر

جاؤ،لیکن وہ ہمیں گھماتا ہوا عزیزیہ کے علاقے میں ہمارے ہوٹل کے سامنے سے گزرا جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اور اگلے چوک پر پھر اُترنے کا کہا کہ یہاں سے پیدل جانا پڑے گا۔لہذا اب پھر ٹیکسی والے کو بڑے احترام سے بتایا کہ بھائی یہ علاقہ ہمارا دیکھا بھالا ہے، یہ ہمارا ہوٹل ہے ۔برائے مہربانی منیٰ لے چلو یا اس کے قریب ترین ہی اُتار دو۔ دل میں خیال گزرا کہ ''ہم کوئی دوبئ تو نہیں جا رہے جو بار بار منوڑا کے ساحل پر لے آتے ہو''۔ٹیکسی والے کی سب چالیں جب بے کار ہوگئیں تو اس کا مزاج بھی بہت چڑ چڑا ہو گیا تھا البتہ تھک ہار کر وہ ہمیں رات کے اس اندھیرے میں ایسی جگہ لے آیا جہاں بہت ساری ٹیکسیاں حاجیوں کو اُتار رہی تھیں تاکہ باقی سفر منیٰ کے خیموں تک پیدل کیا جا سکے۔

شکستہ پا حاجی

یہاں اُترنے کے بعد ہم لوگ اس جانب چل پڑے جس طرف حاجیوں کے غول کے غول چلے جا رہے تھے۔ یہ راستہ چڑھائی کی جانب جاتا تھا اور کچھ ہی فاصلے پر ایک سرنگ تھی جو حاجیوں سے بھری ہوئی تھی۔ رات کے دس گیارہ بجنے کے باوجود موسم گرم اور حبس زدہ تھا۔ فٹ پاتھ پر جابجا حاجی تھک ہار کر بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لیٹے ہوئے تھے۔ ان میں خواتین، مرد، جوان اور بوڑھے سبھی شامل تھے۔ کچھ لوگ وہیل چیئر پر سوار تھے جنہیں باہمت جوان رفتہ رفتہ منیٰ کی طرف لیے جا رہے تھے۔

بے شک حج کا رکنِ اعظم وقوفِ عرفہ ہے جو 9 ذوالحجہ کو ادا کیا گیا تھا۔لیکن 10 ذوالحجہ سفر کی طوالت، ارکانِ حج کی کثرت اور ادائیگی کے اعتبار سے حج کے تمام دنوں میں مصروف ترین دن کا درجہ رکھتا ہے۔

حج سے قبل ہمارے ہوٹل میں رہائش پذیر ایک جواں سال کیپٹن کی ٹانگ اس

وقت ٹوٹ گئی جب وہ حجرِاسود کو بوسہ دینے کے لیے رش میں پھنس گیا تھا۔

حج سے قبل ہوٹل کی مسجد میں آئے دن اعلان ہوتا کہ فلاں صاحب کی والدہ یا کوئی اور قریبی عزیز پاکستان میں فوت ہوگیا ہے۔ ایک حاجی صاحب کا اکلوتا اور جواں سال بیٹا پاکستان میں فوت ہوگیا تھا۔ یہ سب لوگ اپنے پیاروں کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکتے تھے۔

عرفات میں بارش اور تیز ہواؤں کے باعث خیمے گر گئے تھے اور ایک حاجی صاحب کے چہرے پر کچھ لگنے کی وجہ سے خاصی بڑی خراش آئی تھی۔ کچھ سال قبل ہماری ایک رشتہ دار خاتون حج کے لیے آئیں تو چلنے کے باعث ان کے پیر میں چھالا نکلا تو انھوں نے بے ساختہ پکارا ’’شکر ہے اللہ کا میرے پاؤں میں چھالا نکلا‘‘۔

بس ہم تو پکارے چلے جا رہے تھے

’’میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، ساری تعریفیں، نعمتیں اور بادشاہت تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔‘‘

یہ تھکے ہارے، یہ میلے کچیلے اور شکستہ پا لوگ آج اللہ کو بہت محبوب تھے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

سوق العرب، مکتب 85 کی تلاش

سرنگ پار کرنے کے بعد راستوں کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ منیٰ کی حدود شروع ہو چکی تھی۔ خیمے اور سڑکیں روشن ہونے کے باوجود سوق العرب جس پر ہمارا مکتب 85 واقع تھا ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔ سبز رنگ کی جیکٹ والے پاکستانی رضا کار سے منزل مقصود کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ہمارا مکتب منیٰ کے دوسرے سرے پر واقع ہے اور یہاں سے تقریباً چار یا پانچ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ آج کی تمام

تر کارروائی کے بعد اور رات کے اس پہر اس قسم کی ''نوید'' یقیناً جان لیوا تھی۔ لیکن آج کا دن تو ہمت جرأت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم نوازی کے نام تھا۔ جبھی تو میری بیوی جو طوافِ زیارہ/طوافِ افاضہ کرنے کے قابل بھی نہیں تھی، اس نے مشورہ دیا کہ ہم اس رات کو اور اس سفر کو یادگار بنانے کے لیے اسے ہلکا پھلکا لیتے ہیں اور راستے میں حاجیوں کے کیمپ، کیمپوں کے بیچ سجی دکانیں دیکھتے ہوئے اور کھاتے پیتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ لہٰذا تقریباً دو گھنٹے کی طویل مسافت کے بعد جو ہم نے جگہ جگہ اور ہر موڑ پر وزارت حج کے رضا کاروں سے پوچھ پوچھ کر طے کی تھی اپنے مکتب 85 کے خیمے میں پہنچے۔ یہ بھی حج کے ایک ایک دن اور ایک ایک رکن کی طرح یادگار سفر تھا۔

منیٰ میں آخری ایام

10 ذوالحجہ کو مکتب 85 کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے رات بہت دیر سے اپنے خیمے میں پہنچے تھے اور بہت تھک بھی گئے تھے لہٰذا 11 ذولحجہ کی فجر کے بعد خوب آرام کیا۔ زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ نہا کر اور کچھ دیر آرام کر کے دوبارہ منیٰ میں آسکیں۔ ابھی چونکہ حج کے ایام جاری تھے اور کم از کم 12 ذوالحجہ تک جاری رہنے تھے لہٰذا ہوٹل والے بھی چھٹی پر تھے۔ اس لیے ہمیں ہوٹل سے کھانا یا چائے وغیرہ کچھ بھی نہ ملا۔ لہٰذا آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو کر جب ہوٹل سے باہر نکلے تو اکا دکا حاجی چلتے پھرتے نظر آئے۔ باہر اچھا خاصا اندھیرا چھا چکا تھا۔ ہم لوگ جمرات کی جانب سے منیٰ میں داخل ہوئے، یہاں فٹ پاتھ اور روڈ پر بڑا عجیب منظر تھا۔ یہ کوئی رات کا آدھا پہر ہوگا، فٹ پاتھ اور سڑک لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ مرد، خواتین اور بچے فٹ پاتھ پر قالین، چادر اور دری بچھا

کر لیٹے ہوئے تھے اور وقوف منی کی سنت ادا کر رہے تھے۔ اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ مزید ایک دو کلو میٹر چل کر خیمے تک پہنچنے کی بجائے یہیں پر وقوف کر لیا جائے اور صبح دوبارہ ہوٹل سے آ کر زوال کے وقت کنکریاں مار لی جائیں۔

لہٰذا اپنی تسلی کے لیے کہ آیا یہ منیٰ کی حدود ہی ہے مقامی افراد سے بار بار معلوم کیا کہ یہاں روڈ یا فٹ پاتھ پر رات گزارنے سے وقوفِ منیٰ ہو جائے گا یا خیمے میں جانا ہی ضروری ہے۔ جب مختلف افراد نے تصدیق کر دی کہ یہاں پر ہی وقوف منیٰ ہو جائے گا کیونکہ یہ جگہ منیٰ کی حدود میں ہے تو ہم نے مزدلفہ کی یاد ایک مرتبہ پھر تازہ کر لی اور رات فٹ پاتھ پر ہی گزاری۔

12 ذولحجہ کو ہم لوگ ہوٹل سے واپس جمرات پہنچے، کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ میں اپنے خیمے میں پہنچے تو یہاں کا نقشہ تبدیل ہو چکا تھا، مکتب کے خیمے حاجیوں سے خالی ہو چکے تھے، مکتب والے گدے اور تکیے سمیٹ رہے تھے اور طعام گاہ اجڑی ہوئی تھی۔ لیٹرین اور وضو خانے جہاں لمبی لمبی لائینیں لگتی تھیں خالی پڑے تھے۔ خیموں کے بیچ میں جو گلیاں حاجیوں سے بھری رہتی تھیں خالی تھیں اور خیموں میں جہاں کروٹ لینا بھی مشکل تھی وہ سب سُن سان تھا۔

یہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ابھی تو حج باقی ہے، ابھی تو 13 ذوالحجہ تک کنکریاں مارنی ہیں، ابھی تو نیکیاں سمیٹنے کا موقع برقرار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے کہ جو بارہ ذوالحجہ کو جانا چاہے چلا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کوئی رکنا چاہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر بھی، پھر بھی۔ تین سال کی جدوجہد، تین سال کی آرزوئیں اور دُعائیں، مہینوں پر محیط تیاری، ہزاروں کلو میٹر کا سفر اور زندگی کے طویل دورانیے میں اللہ تعالیٰ کی بیکراں نعمتیں، فقط ایک رخصت پر تج دی گئیں کہ اگر کوئی چاہے تو جا سکتا ہے۔ زندگی بھر کی عطا اور زندگی بھر ہماری خطاؤں سے درگزر کرنے والے کے لیے حج

کے فقط چھ ایام حاجیوں پر مشکل کیوں ہو گئے؟ پانچویں دن ہی یہ میلہ کیوں سمیٹ دیا گیا، ایک دن اور کیوں نہیں؟ فقط ایک دن اور! ایک دن اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بھیج فخر کرتا۔ ایک دن اور ہم دو فٹ چوڑے اور چھ فٹ لمبے گدے پر بغیر کروٹ بدلے گزارتے، ایک دن اور گلی میں کھانا تقسیم کرنے والی ٹرالی پر لپکتے، خیمے میں گدوں پر نماز کے لیے جماعت کرواتے، دُعائیں مانگتے، تسبیحات پڑھتے، شیطان جس سے ازلی بیر ہے، جس سے ہم سارا دن پناہ مانگتے ہیں نمازوں میں، دُعاؤں میں، چلتے پھرتے اس شیطان کو ایک دن اور کنکریاں مارتے۔ وہ ہماری کنکریاں کھانے کا پابند ہے اور ہم نے ایک اشارے پر رخصت کو گلے لگا لیا۔

بے شک 12 ذوالحجہ کو جانے کی اجازت ہے مگر مجھے اللہ کی کتاب یہ دعوت یاد دلا رہی تھی:

''اور دوڑو اپنے ربّ کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی ہے''۔

خیمے اس قدر خالی تھے کہ میں اور میری بیوی اپنے گلے میں بیگ لٹکا کر حاجیوں کو ڈھونڈ رہے تھے تاکہ کچھ حاجی مل کر ایک ہی خیمے میں رات گزار سکیں۔ لہٰذا بامشکل مجھے ایک خیمے میں چار حاجی مل گئے اور ان کی خواتین کے ساتھ میری بیوی مل گئی یوں منیٰ میں آخری دن اور آخری رات گزاری۔

13 ذوالحجہ

ہمارے مکتب 85 اور اس کے خیموں سے جمرات کی طرف جانے والے حاجیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ میرے ساتھ میرے کمرے کے دو حاجی عمران بھائی اور وحید صاحب بھی تھے، لیکن جمرات پر منظر نامہ کافی مختلف تھا، وہاں پر عربی اور غیر ملکی حجاج ایک جم غفیر کی شکل میں موجود تھے۔ انتظامیہ اور پولیس والے بدستور اپنی ذمہ داریاں نباہ رہے تھے۔ لوگوں کے آپس میں دھکے لگ رہے تھے، مردوں نے عورتوں کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے تسلی ہوئی کہ سب لوگ رخصت سے فائدہ نہیں اُٹھا رہے تھے، حج ابھی ختم نہیں ہوا تھا اور شیطان ہماری کنکریوں کے نشانے پر تھا۔ بسم اللہ، اللہ اکبر۔ بسم اللہ، اللہ اکبر......

مجھے کس نے اُچھالا؟

10 ذوالحجہ کے بعد حرمِ کعبہ میں جانے کا موقع نہیں ملا تھا اور ویسے بھی 13 ذوالحجہ تک منیٰ میں مصروف رہے تھے۔ بسوں کی بندش کی وجہ سے ہم دونوں میاں بیوی 14 ذوالحجہ کو ہوٹل سے پیدل براستہ سرنگ حرمِ کعبہ کے لیے روانہ ہوئے، پروگرام یہ تھا کہ رات بیت اللہ کے سامنے ہی گزاریں گے اور صبح جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل لوٹیں گے۔

بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی جیسے دل کے تار چھڑ گئے ہوں، گزشتہ چار دن کی غیر حاضری کے بعد ایک مرتبہ پھر مقناطیسی میدان نے ان بکھرے ہوئے زرات کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہمیں ترتیب دے دی۔

ہجوم اتنا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی لیکن طلب، پیاس اور خواہش ایسی تھی کہ حج

کے ارکان ادا ہو گئے منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور جمرات سب جگہ سے ہو لئے ایک خواب تھا جو حقیقت کا روپ دھار کر ماضی کا، گزشتہ کل کا حصہ بنتا جا رہا تھا لیکن اتنی بڑی نعمت اور سعادت کا شکر یہ کیسے ادا ہو، جی چاہتا تھا کہ بیت اللہ سے لپٹ جاؤں۔

طواف کرتے کرتے میں نے رُکنِ یمانی سے حجرِاسود کی جانب پوزیشن لینی شروع کر دی، یہ کوشش میں پہلے بھی بار بار کر چکا تھا لیکن حجرِاسود کا بوسہ لینے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ اس بار بھی ہجوم کے تیز بہاؤ نے مجھے حجرِاسود سے آگے ملتزم اور کعبے کی چوکھٹ کے پاس پھنسا دیا۔ یہاں پر میں پوری قوت کے ساتھ ڈٹ گیا کہ حجرِاسود نہ سہی ملتزم سے لپٹ کر، دُعا مانگ کر ہی جاؤں گا، بیت اللہ کے دروازے کی چوکھٹ کو چھو کر ہی جاؤں گا۔ اس بھیڑ میں کھڑے کھڑے میں نے مسلسل اپنا ہاتھ ملتزم اور چوکھٹ کی طرف بڑھا رکھا تھا، جیسے بیت اللہ سے کوئی آ کے میرا ہاتھ تھام لے گا اور کھینچ کر مجھے اپنے ساتھ چمٹا لے گا۔ ملتزم اور بیت اللہ کے دروازے کی چوکھٹ سے میرا ہاتھ بہ مشکل تین فٹ کے فاصلے پر ہوگا، میں مسلسل زور لگا رہا تھا اور پکار رہا تھا یا اللہ! مدد فرما۔ یا اللہ! مدد فرما۔ یک دم میری پشت سے ایک خان صاحب کی زوردار آواز آئی ''حاجی صاحب ہاتھ لگاؤ'' یہ جملہ ابھی پوری طرح ادا بھی نہیں ہوا تھا کہ خان صاحب نے مجھے بغلوں کے نیچے ہاتھ دے کر ملتزم اور کعبے کی چوکھٹ کی طرف اُچھال دیا دوسرے ہی لمحے میں لوگوں کے کندھوں پر سوار ملتزم اور بیت اللہ کی چوکھٹ سے لپٹ رہا تھا۔ یک دم میرے اندر خوشی، حیرانی اور پیچھے مڑ کر خان صاحب کو دیکھنے کے لیے جذبات آپس میں گڈ مڈ ہونے لگے۔ میں نے اس معجزے اور اس وقت کو غنیمت جانا اور بے ترتیب دُعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ دل، دماغ اور زبان میں باہمی ربط نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ دل کچھ چاہتا تھا، دماغ کچھ سوچ رہا تھا اور زبان اتنی ساری دُعاؤں کی ادائیگی میں الجھ گئی تھی۔

یہ تو پہلے دن والی کیفیت پھر لوٹ آئی تھی، پہلی دُعا دوسری میں اور دوسری دُعا

تیسری میں گڈ مڈ ہو گئی تھی۔ میں حیران تھا کہ ملتزم کی طرف بڑھا ہوا میرا ہاتھ کسی نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا یا خان صاحب پیچھے موجود تھے۔ انھوں نے مجھے کیوں اُچھالا تھا، وہ خود کیوں نہ آگے بڑھ کر کعبے کی چوکھٹ اور ملتزم سے لپٹ گئے تھے؟ کچھ دیر بعد جب حواس بحال ہوئے تو حجرِ اسود کے ساتھ لٹکے ہوئے شُرطے نے شور مچا رکھا تھا حاجی یلاّ۔ حاجی یلاّ۔ میں بامشکل لوگوں کے کندھوں سے نیچے اُترا اور جس ہستی نے مجھے اُچھالا تھا میں شکریے کے لیے انھیں ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔

محبت میں شرکت

حج ادا ہو گیا تھا، پاکستان واپسی کے لیے بمشکل چار یا پانچ روز رہ گئے تھے۔ جس طرح آتے ہوئے ہماری پہلی پرواز تھی اسی طرح جاتے ہوئے بھی ہماری پہلی پرواز تھی۔ اب طواف کعبہ اور دیدار کعبہ کے ساتھ ساتھ ہمیں واپسی کے لیے تحفے تحائف بھی لینے تھے۔ رشتہ داروں میں سے قریبی رشتہ داروں کی فہرست بن گئی، اب ان کے اور ان کے بچوں کے لیے تحائف لینے کے لیے وقت درکار تھا۔ یہ وقت، یہ توجہ ہم نے بیت اللہ اور حرمِ کعبہ کے وقت سے نکالنی تھی ۔ پہلے سارا وقت، ساری توجہ، ساری محبت اور ساری چاہت بیت اللہ اور حرمِ کعبہ کے لیے مختص تھی، اب اس میں دنیاداری کے تقاضوں نے دراڑ ڈال دی تھی۔ یہ محبت ابتداء کی طرح تھی اور نہ ہی انتہاء کی طرح۔ رشتہ داریاں، دنیاداری اور دنیاوی تقاضے مجھے اس محبت اور عقیدت میں تقسیم پر مجبور کر رہے تھے۔ اور مجھے اس تقسیم کا بہت ملال تھا۔

مارکیٹوں میں غیر ملکی اشیاء کی بہتات تھی، جن میں زیادہ تر اشیاء غیر مسلم ممالک کی تھیں۔ ان اشیاء کے بھاؤ تاؤ کرتے ہوئے، ان کو خریدتے ہوئے جب بیت اللہ کا مقناطیسی حصار دل کے تار چھیڑ دیتا تو خیال آتا کہ کاش حج ابھی ختم نہ ہوا ہوتا، منیٰ،

عرفات، مزدلفہ، رمی، طواف اور سعی سب کچھ ہو رہا ہوتا، سب کچھ ہو رہا ہوتا۔

کچھ ایسی ہی کیفیت کے بارے میں شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی فرمایا تھا کہ ''میں اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں اور دل میں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ کہیں محبوب مل نہ جائے کیونکہ پھر تلاش کی جستجو اور لذت ختم ہو جائے گی۔''

طوافِ وداع

ہم لوگوں نے 34 دن مکہ مکرمہ میں گزار دیئے تھے، ان 34 دنوں میں ہم لوگ یہاں کے ماحول، راستے، بازار، در و دیوار اور اُلٹے ہاتھ پر چلنے والی ٹریفک سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر مسجدِ حرام، بیت اللہ شریف، حطیم، رُکنِ یمانی، حجرِ اسود، ملتزم، مقامِ ابراہیم، صفا و مروہ، آب زم زم کے کولر اور تو اور وہ صفائی کرنے والے نوجوانوں کا گروہ جو لمحوں میں بڑے سے بڑا علاقہ دھو ڈالتے تھے اور وائپر کے ساتھ ساتھ پھسلتے بھی رہتے تھے، ان سب سے ہم بہت مانوس ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ ہمارے اندر رچ بس گیا تھا، ایسے میں طوافِ وداع اور اس کا خیال ہی طبیعت کو بوجھل کر دیتا، اُداسی کی لہر چارسو پھیل جاتی۔ یہ تصور ہی محال تھا کہ ہم یہاں نہیں ہوں گے اور یہ سب کچھ ہمارے بغیر ایسے ہی چلتا رہے گا۔ کیا ہم ایک دوسرے کی کمی کو محسوس نہیں کریں گے؟ اب تو گویا ہر طواف طوافِ وداع ہی لگنے لگا تھا۔ اب بیت اللہ کی زیارت اُداس نظروں سے ہوتی تھی بیت اللہ کی مقناطیسی لہریں مجھے آ کے کہہ جاتیں کہ ''اب بچھڑ تو جانا ہے لیکن وہاں جا کے مجھے بھول نہ جانا۔''

18 ذوالحجہ 1440 ھ، 19 اگست 2019ء کو واپسی کی پرواز تھی۔ لہٰذا 17 ذوالحجہ کی عشاء کی نماز کے بعد طوافِ وداع ادا کیا۔ اس طواف میں وہ پھرتی نہ تھی۔ قدم اُٹھ

نہیں رہے تھے اُٹھانے پڑ رہے تھے، طواف، دُعائیں، مقامِ ابراہیم کے نوافل اور سجدے بھیگی پلکوں سے ادا ہو رہے تھے۔ بالآخر باب الملک الفہد سے باہر نکلے، پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے رہے، حلق گویا سوکھ گیا تھا اور خاموشی نے میرے ہونٹ سی دیے تھے۔

حج کیا ہے؟

جب میں پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا تو ہم کلاس فیلو آپس میں دوستیاں لگاتے تھے اور پھر ان دوستیوں کو پکا کرنے کے لیے اور ہمیشہ یاد رکھنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو نشانی دیا کرتے تھے۔ اس نشانی میں قابلِ ذکر تحفہ رنگوں والی پنسل، نگ والی انگوٹھی یا چھلا ہوتا تھا۔

حج بھی ایک دوستی کی داستان ہے اور اس دوستی کو پکا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بھی کچھ نشانیوں کا تبادلہ کرلیا تھا تا کہ یہ نشانیاں دوستی کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور منتخب کردہ نبی جناب ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں بیٹا عطا کیا، انسان کو اولاد جیسی نعمت طویل عرصے بعد وہ بھی بڑھاپے میں ملے، تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی شیر خوار بچہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دوستی پکی کرنی شروع کردی اور نشانیوں کا تبادلہ شروع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیوی اور بچے کو ایک بے آب و گیاہ ویران پہاڑی علاقے میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی، کچھ کھجوروں اور پانی کے ساتھ بیوی اور شیر خوار بچے کو موجودہ مکہ کی

سرزمین جو اُس وقت غیر آباد تھی پر چھوڑ دیا۔ جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے بیچ دوڑ دھوپ شروع کر دی تا کہ زندگی کے کوئی کے آثار نظر آئیں اور کچھ کھانے پینے کو مل سکے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی فرماں برداری اور اطاعت میں کی گئ دوڑ دھوپ اتنی پسند آئی کہ اسے پکی دوستی کی نشانی بنا کر محفوظ کر لیا اور تا قیامت حج کا حصہ بنا دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پیاس کی شدت کی وجہ سے جہاں اپنی ایڑیاں رگڑیں تھیں وہاں پر آبِ زم زم جاری کر دیا اور حاجیوں کے لیے اس کو صحت بخش اور باعثِ شفاء بنا دیا، یہ بھی پکی دوستی کی نشانی تھی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب کچھ ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بیٹے کو میری راہ میں قربان کر دو، تو دوست نے دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے پکی دوستی کی یہ نشانی بھی محفوظ کر لی اور تا قیامت ایمان والوں کے لیے لازم کر دیا کہ حج، اس دوستی کی یاد کو قربانی کے ذریعے تازہ کیئے بغیر نہیں ہو گا۔

بیٹے کی قربانی میں جہاں جہاں شیطان نے وسوسہ پیدا کیا وہاں وہاں جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے کنکریاں مار کر شیطان کو بھگا دیا اور اپنی اطاعت اور بندگی پر کاربندر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دوستی کا یہ انداز بہت بھایا اور اسے بھی نشانی کے طور پر محفوظ کر لیا اور حاجیوں کے لیے لازم کر دیا کہ میرے خلیل علیہ السلام کی پیروی میں شیطان کو کنکریاں مارو ورنہ حج نہیں ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر جس گھر کو تعمیر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا گھر بنا لیا، اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ یہاں آؤ اور اس گھر کا طواف کرو اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان ہیں، دو رکعت نفل ادا کرو۔ یہ عمل بھی دوستی کی پکی نشانی

بن گیا اور تا قیامت جاری و ساری کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں دوستی کی اتنی لازوال داستانیں رقم کی ہیں وہیں پر بے دریغ آگ میں بھی کود گئے تھے، لیکن اللہ سے زیادہ اچھی دوستی کون نبھا سکتا ہے اور اللہ سے زیادہ محبت اور بندگی کا قدر دان کون ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان قربانیوں کے عوض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ''خلیل'' بنا لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''ذبیح اللہ'' کے منصب پر فائز کر دیا اور اس سے بھی بڑھ کر محمد ﷺ کو آپ کی نسل میں پیدا فرما کر خاتم الانبیاء ﷺ اور امام الانبیاء ﷺ بنا دیا۔

اللہ کو دوستی میں تصنع اور بناوٹ پسند نہیں ہے، سادگی اور فقیری اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اسی لیے حاجیوں کو دو چادروں کا لباس اور پیروں میں سادہ چپل پہنا کر ان سارے مقامات پر گھماتا ہے جہاں دوستی کی نشانیاں ہیں۔ جن کی تعلیم حضرت محمد ﷺ نے دی ہے۔

حج کیا ہے؟ حج اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کی کہانی ہے۔ یہ دوستی بڑی پکی اور سچی تھی اور ایک دوسرے کو تحفے میں دی گئیں نشانیاں بھی بہت نایاب تھیں۔ ان نشانیوں نے اس دوستی کی یاد کو آج تک قائم رکھا ہے اور تا قیامت قائم رکھے گی۔ ان نشانیوں کے سامنے ہماری رنگوں والی پنسل، نگ والی انگوٹھی اور چھلا بہت ہی حقیر تھا۔

جدہ ائیر پورٹ کے لیے روانگی

ہوٹل کے استقبالیہ پر ایک مرتبہ پھر فہرستیں لگ گئیں تھیں جن میں بس نمبر اور حاجیوں کے نام و شناختی نمبر آویزاں تھے۔ فہرستوں میں اپنا اپنا نام تلاش کرنے کے لیے حاجیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میرا نام بھی انہی فہرستوں میں شامل تھا لیکن آج کے دن اور منیٰ روانگی والے دن میں کوئی مماثلت نہ تھی۔ آج حاجیوں میں وہ جوش و جذبہ نہ تھا، آج حاجیوں نے سفید یونیفارم (احرام) زیب تن نہیں کیا تھا، آج حاجی اپنا ترانہ لَبَّیْکَ أَللّٰھُمَّ لَبَّیْک نہیں پکار رہے تھے، آج ساز و سامان مختصر نہیں تھا بلکہ ہر حاجی کے سامان میں اضافہ ہوگیا تھا۔ حاجی بے تابی سے اپنے سوٹ کیس، بیگ بار بار استقبالیہ پر لگے ترازو پر تول رہے تھے تاکہ وزن اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ عجیب کیفیت تھی، حج کی سعادت حاصل کرنے کی خوشی بھی تھی اور اس پاک سرزمین اور مقدس مقامات سے رخصت ہونے کا دُکھ بھی۔

19 اگست 2019ء صبح 11 بجے بس ہمارے ہوٹل ''فندق الصفاء المشائر'' سے جدہ ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہوئی، تقریباً دو گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم جدہ ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ بس میں بیٹھتے ہی نظریں کھڑکی سے باہر جھانکنے لگیں اور باہر کی بلڈنگوں، شاہراہوں اور جتنے چوک یا انڈر پاس، اوور ہیڈ برج ہم حرمِ کعبہ جانے کے لیے عبور کرتے تھے انھیں آخری مرتبہ الوداعی نظروں سے دیکھتی رہیں، کیونکہ یہ دن پھر لوٹ کر نہیں آنے تھے۔

جدہ ائیر پورٹ پر حجاج کے لیے الگ ٹرمینل مختص تھا اور یہاں سے تقریباً تمام ممالک کے لیے پروازیں روانہ ہو رہی تھیں اس لیے حجاج کو چھ سے سات گھنٹے قبل ہی یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ ائیر پورٹ کا اسٹرکچر بلند و بالا تھا مسجدِ نبوی ﷺ، منیٰ، عرفات میں نصب خیمے اور جمرات کی بلند و بالا چھتریوں کی جھلک یہاں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ ائیر پورٹ کا ٹرمینل اگرچہ بہت متاثر کن نہیں تھا پھر بھی روشنی، صفائی اور خدمت

کے لحاظ سے مدینہ اور مکہ کے انتظامات کی عکاسی کر رہا تھا۔ بورڈنگ پاس اور سامان کی بکنگ کے دوران وہ حجاج جو رحمتیں اور برکتیں سمیٹنے کے ساتھ ساتھ اضافی سامان، اضافی آب زم زم اور یہاں تک کہ اضافی لبن، دہی، فروٹ وغیرہ بھی سمیٹ لائے تھے کچھ مشکل میں نظر آئے اور سرِ محفل سوٹ کیس اور بیگ کھول کر انھیں اپنے راز فاش کرنا پڑے۔

سرزمینِ حجاز پر آخری نماز عشاء کی ادا کی اور پھر فوراً جہاز میں سوار ہو گئے۔ جہاز اپنے وقت مقررہ پر روانہ ہو گیا تھا۔

کراچی ائیرپورٹ آمد

جدہ ائیرپورٹ پر لگیج میں بک کیے گئے سامان کی طرح حاجیوں کا دستی سامان بھی وزن کی حدود سے تجاوز کر رہا تھا لیکن سعودی انتظامیہ کا رویہ حاجیوں کے ساتھ خاصا درگزر کا تھا۔ جہاز میں جہاں حاجیوں کی جھولیاں نیکیوں سے بھری ہوئی تھیں وہیں جہاز کے کیبن سامان سے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ میرے مالک نے حاجیوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا تھا۔ جہاز میں بیٹھتے ہی ہمارے موبائل فون کے سگنل چلے گئے۔ اب ہمارا رابطہ نہ سرزمینِ حجاز سے تھا نہ ارضِ پاک سے۔ ہم دونوں جگہ کے کنٹرول ٹاور کی دسترس سے باہر تھے۔ حاجیوں کی اکثریت تسبیح، درود اور تلاوتِ کلامِ پاک میں مشغول تھی۔

صبح 3:40 پر ہماری پرواز کراچی ائیرپورٹ پر اُتر گئی، اور جہاز کے رکنے سے قبل ہی حاجیوں کی اکثریت اپنی نشستوں پر کھڑی ہو گئی تھی، نشستوں کے بیچ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ جس قدر جہاز میں چڑھنے کی جلدی تھی اس سے زیادہ اُترنے کے لیے بے تاب تھے۔ جلد بازی جس کا کام تھا اسے ہم تقریباً ساڑھے بارہ کروڑ کنکریاں مار کر آ رہے تھے اور حج کا سارا سبق ابھی تو زبان پر ہی تھا کہ:

فَلَا رَفَثَ، وَ لَا فُسُوْقَ، وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔

جہاز سے ائیر پورٹ پر اُترتے ہی کچھ اجنبیت کا احساس ہوا، آنکھیں 43 دن سے حجاز مقدس کا بلند و بالا مضبوط انفراسٹکچر دیکھنے کی عادی ہوگئی تھیں، برقی قمقموں کی روشنی اور صفائی ستھرائی کا ماحول ذہن میں بسا ہوا تھا۔ لہٰذا کراچی ائیر پورٹ جس کی تعمیر میں میرا اپنا پسینہ بھی شامل ہے مجھے پرانا پرانا، منحنا سا اور بجھا بجھا ہوا لگا۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ 1992ء میں اس ائیر پورٹ کے افتتاح کے بعد سے اب تک اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا ہوگا جو ہم لوگوں نے منیٰ اور عرفات میں کھانا تقسیم کرنے والوں کے ساتھ کیا تھا۔

ائیر پورٹ کے لاوٴنج میں داخل ہوتے ہی موبائل فون کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئی تھیں، مقامی کنٹرول ٹاور نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ خوش آمدید کہا تھا۔ فون پر مقامی سگنل آنا شروع ہو گئے تھے۔ باہر لوگ ہاتھوں میں گلاب کے پھول لیے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اپنے پیاروں کے منتظر تھے۔ اتنا پیار بھرا والہانہ استقبال اور حاجیوں کے ماتھے پر ''حاجی'' کا ٹِکر دوسرے لوگوں میں ہمیں ممتاز کر رہا تھا۔ سامان سے بھری ہوئی ٹرالیاں کھینچتے ہوئے ہم استقبالی ہجوم کو پیغام دے رہے تھے کہ دیکھو اللہ ربّ العزت نے ہمیں خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔

خوش آمدید

گھر میں داخل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ میری بیٹیوں نے کس قدر تیاری کر رکھی ہے پھول، کیک، تحائف سپیشل کھانا اور سب سے بڑھ کر میری چھوٹی بیٹیوں جنت اور تحریم کے تیار کیے ہوئے کارڈ قابل ذکر ہیں۔

چالیس دن تک دُعائیں قبول ہوں گی!

جس طرح 7 کے ہندسے میں اور سات سات مرتبہ کیے جانے والے افعال میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ 40 کے ہندسے میں بھی کوئی حکمت پوشیدہ ہو جس کا ہمیں شعور نہیں ہے۔

محمد ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر قیام چالیس روزہ تھا۔

حج کے ایام عموماً چالیس روزہ ہوتے ہیں۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں عموماً رواج ہے کہ چالیس نمازیں پڑھی جائیں۔

حاجیوں کی دُعاؤں کے لیے مشہور ہے کہ چالیس روز تک قبول ہوتی ہیں۔

تبلیغی اور روحانی چلے عموماً چالیس دن کے لگائے جاتے ہیں۔

حج کر کے واپس آئے تو اہل محلّہ، عزیز و اقارب اور دوست احباب کے ملنے ملانے کا سلسلہ مہینوں تک چلتا رہا، اس ملنے ملانے میں بہت دلچسپ واقعات رونما ہوئے۔ جو لوگ پہلے حج یا عمرہ کر چکے تھے وہ حج کے موضوع پر بہت ساری باتیں کرتے تھے اور اپنی یادیں تازہ کرتے۔ میں ایسے لوگوں کے سامنے حج کے موضوع پر گفتگو نہیں کر پاتا تھا، مقاماتِ مقدسہ، ارکانِ حج اور افعالِ عبادات کو بیان کرتے ہی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ طواف وادع کے وقت بیت اللہ کی وہ سرگوشی جو آخری لمحات

میں اس نے میرے کان میں کی تھی۔

''اب بچھڑ تو جانا ہے وہاں جا کے مجھے بھول نہ جانا''

یاد آنے لگتی۔ ہاں البتہ جن لوگوں نے حج یا عمرہ نہیں کیا تھا وہ لوگ حج یا اُمورِ حج سے متعلق شاید ہی زیادہ بات کرتے تھے۔ ایک بات لوگوں میں قدر مشترک تھی، ہر ملنے والا اپنے لیے دُعا کی درخواست تو کرتا ہی تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی باور کرواتا تھا کہ حاجی کی دُعائیں چالیس دن تک قبول ہوتی ہیں۔ یہ بات میرے لیے اتنی ہی نا قابل فہم تھی جتنی بیت اللہ پر پہلی نظر کے پڑنے سے قبول ہونے والی پہلی دُعا۔ میرا اصرار اپنی جگہ قائم تھا کہ دُعائیں تو اللہ تعالیٰ 41 ویں روز، 42 ویں روز اور اس سے بھی آگے قبول کرے گا (ان شاء اللہ) اور کرتا ہے۔ ہاں البتہ حج سے آنے کے بعد حاجی جس نشے اور جس سرور میں ہوتا ہے وہ کیفیت رفتہ رفتہ ہی کم ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ بہت زیادہ وقت بھی لے لیتی ہے۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ (۹۶) فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (۹۷) (سورۃ آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت وہدایت والا ہے۔

جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راستہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔